اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

دسمبر 2014ء

ماہنامہ

قندیل ادب

مدیر: رانا عبدالرزاق خان

07886304637 & 02089449385

rana_razzaq@hotmail.com

ماہنامہ قندیلِ اَدب انٹر نیشنل لندن

شمارہ نمبر:24 **دسمبر 2014ء**

مجلس ادارت

زکریا ورک،، خواجہ عبدالمومن ناروے، امجد مرزا امجد، محمد آصف پرویز

مدیر اعلیٰ : خان بشیر احمد خان رفیق

مدیر : رانا عبدالرزاق خان

معاون مدیر : عامر مجید

مدیر خصوصی : سہیل لون

منیجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی

فوٹو گرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر، محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسماعیل برمنگھم، اقبال مجیدی، اے حق (یو کے ٹائمز)، ثقلین مبارک آسٹریلیا، میاں فہیم الدین، رانا مبارک احمد بحرین، راجہ منیر احمد، بشیر احمد خان سویڈن

وضاحت

قندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے اِمتیاز سے بالاتر ہے یہ صرف اُردو اَدب کی ترقی وترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی ان پیج میں ارسال کیا جائے گا۔بلاتفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔قندیل ادب اکثر ممالک میں پندرہ ہزار قارئین تک جاتا ہے۔اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کردیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔شکریہ۔

(رانا عبدالرزاق خان)

فہرست

نامے جو میرے نام آتے ہیں	ادارہ	2
غزل	فیض احمد فیض، ن۔م راشد، مجید امجد	2
غزل	چوہدری محمد علی، منیر نیازی	3
غزل	ناصر کاظمی، پروین شاکر	3
بنگلہ دیش	ثقلین مبارک	4
اردو شاعری میں تاج محل کا ذکر	سہیل انجم	5
اردو شاعری میں حالی کا مقام	ڈاکٹر خالدہ خاتون	8
ایک اہم سوال آپ کے ضمیر سے	عاصی صحرائی	10
محبت اور اشفاق احمد	ادارہ	11
غزل	مسلم سلیم، بشارت احمد بشارت	11
پاکستان کا قصور	رانا عبدالرزاق خان	13
غزل	نجمہ شاہین کھوسہ، دلاور دلفگار	14
حبیب جالب کو جواب دو	سفیر احمد	15
کڑوا سچ	عطاء الحق	16
سوئٹزرلینڈ میں جوتوں کی تاریخی نمائش	زکریا ورک	17
غزل	خواجہ عبدالمومن، مبارک صدیقی	18
انوکھی باتیں	زکریا ورک	19
منور احمد کنڈے، داؤد احمد ساجد	اسحاق ساجد۔جرمنی	19
جابر بن حیان	بلال افتخار	19
غزل	چوہدری محمد علی	20
تبصرہ کتاب ''خوشبو، گلاب اور کانٹے''	مصنفہ: رضیہ اسماعیل، تبصرہ: شریف بقاء	21
چھ گولیاں اور کئی چہرے	سفیر احمد	22
قدسی کے منتخب اشعار	فراز حمید خان	23
لطائف	رانا عبدالوحید خان	24
گلدستہ	سید حسن خان	24
غزل	عبدالجلیل عباد	26
محمد فیاض عادل فاروقی کا مجموعہ کلام	تبصرہ	27
غزل	شاد کاکوئی	27
سوال حکومت ہند و پاک سے	نیاز جیراپوری	28
غزل	ساجد محمود رانا	28

نامے جو میرے نام آتے ہیں

محترم خان بشیر احمد خان صاحب لکھتے ہیں:

رانا صاحب السلام وعلیکم

آپ کا میگزین ملا۔شکریہ۔میں ہمیشہ آپ کا میگزین اپنے دوستوں کو ساری دنیا میں فارورڈ کرتا ہوں۔میری دلی دعا ہے کہ آپ جو یہ عظیم خدمت اُردو کی دیارِ غیر میں کر رہے ہیں۔اور قائین قندیل ادب کا بھلا کر رہے ہیں۔برائے مہربانی جاری رکھیے۔میں انگریزی اور اردو رسائل کا ایڈیٹر رہا ہوں۔میں جانتا ہوں کہ ایک رسالہ نکالنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔میری سمجھ سے یہ بالا ہے کہ آپ اتنا خوبصورت رسالہ کس قدر محنت سے اور شوق سے مستقل دو سال سے جاری رکھے ہوئے ہیں جبکہ آپ کی اس سے علاوہ بھی کافی مصروفیات ہیں۔

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ صاحبہ رقم طراز ہیں:

رانا صاحب سلام۔آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے ایک خوبصورت میگزین بھیجا۔اس میں اپنی غزل دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔شکریہ۔میں مزید اپنا کلام کر رہی ہوں اگر ہو سکے تو اسے بھی شامل میگزین کریں۔

محترم احمد مبارک نیویارک سے لکھتے ہیں:

شکریہ۔ذرا پروف ریڈنگ پر توجہ دیں۔

عبدالحمید حمیدی صاحب کنیڈا سے لکھتے ہیں:

رانا صاحب ’’قندیل ادب پڑھ کر مزا ہی آ گیا‘‘ خدا تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔جاری رکھیئے۔

ف۔س ایڈیٹر ماہنامہ ’’انشاء‘‘ کلکتہ انڈیا سے رقمطراز ہیں:

آپ نے اچھی قندیل جلائی ہے۔میری دعا ہے کہ اللہ اسے سدا روشن رکھے۔

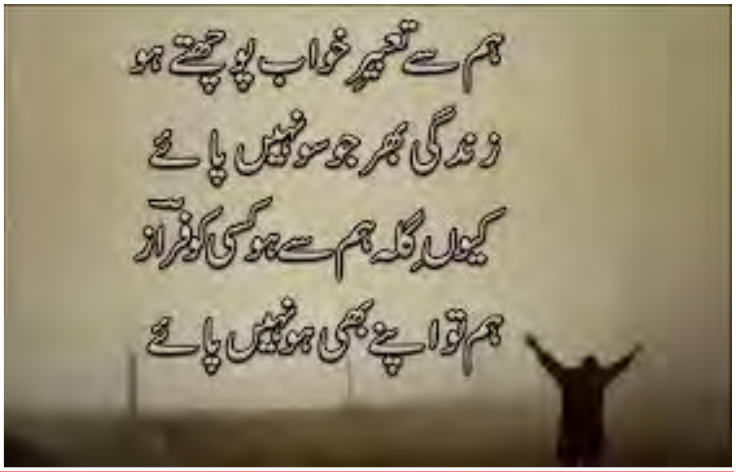

فیض احمد فیض....سرود

موت اپنی، نہ عمل اپنا، نہ جینا اپنا
کھو گیا شورشِ گیتی میں قرینہ اپنا
ناخدا دور، ہوا تیز، قریں کامِ نہنگ
وقت ہے چھینک دے لہروں میں سفینہ اپنا
عرصہء دہر کے ہنگامے تہ خواب سہی
گرم رکھ آتشِ پیکار سے سینہ اپنا
ساقیا رنج نہ کر جاگ اُٹھے گی محفل
اور کچھ دیر اُٹھا رکھتے ہیں پینا اپنا
بیش قیمت ہیں یہ غم ہائے محبت مت بھول
ظلمتِ یاس کو مت سونپ خزینہ اپنا

ن م راشد....غزل

سبزہ زاروں کے سوا اور ستاروں کے سوا
سوچتا ہوں کہ غمِ دل نہ سناؤں اس کو
سامنے اس کے کبھی راز کو عریاں نہ کروں
خلشِ دل سے اسے دست و گریباں نہ کروں
اس کے جذبات کو میں شعلہ بداماں نہ کروں
سوچتا ہوں کہ جلادے گی محبت اس کو
وہ محبت کی بھلا تاب کہاں لائے گی
خود تو وہ آتشِ جذبات میں جل جائے گی
اور دنیا کو اس انجام پہ تڑپائے گی
سوچتا ہوں بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں اُسے واقفِ اُلفت نہ کروں

مجید امجد....بُندا

کاش میں تیرے بُنِ گوش میں بُندا ہوتا!
رات کو بے خبری میں جو مچل جاتا میں
تو ترے کان سے چپ چاپ نکل جاتا میں
صبح کو گرتے تری زُلفوں سے جب باسی پھول
میرے کھو جانے پہ ہوتا ترا دل کتنا ملول

تو مجھے ڈھونڈتی کس شوق سے گھبراہٹ میں
اپنے مہکے ہوئے بستر کی ہر اک سلوٹ میں
جونہی کرتیں تری نرم انگلیاں محسوس مجھے
ملتا اس گوش کا پھر گوشۂ مانوس مجھے
کان سے تو مجھے ہرگز نہ اُتارا کرتی
تو کبھی میری جدائی نہ گوارا کرتی
یوں تری قربتِ رنگین کے نشے میں مدہوش
عمر بھر رہتا مری جاں میں ترا حلقہ بگوش
کاش میں تیرے بُنِ گوش میں بُندا ہوتا!

منیر نیازی....محبت اب نہیں ہوگی

ستارے جو دمکتے ہیں
کسی کی چشمِ حیراں میں
ملاقاتیں جو ہوتی ہیں
جمالِ ابرو باراں میں
یہ نا آباد وقتوں میں
یہ دلِ ناشاد میں ہوگی
محبت اب نہیں ہوگی
یہ کچھ دن بعد میں ہوگی
گزر جائیں گے جب یہ دن
یہ ان کی یاد میں ہوگی

ناصر کاظمی....غزل

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی تب یاد آیا
آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست
تو مصیبت میں عجب یاد آیا
دن گزارا تھا بڑی مشکل سے
پھر ترا وعدۂ شب یاد آیا
تیرا بھولا ہوا پیمانِ وفا
مر رہیں گے اگر اب یاد آیا
پھر کئی لوگ نظر سے گزرے
پھر کوئی شہرِ طرب یاد آیا
حالِ دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رُخصت ہوا تب یاد آیا
بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصرؔ
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

پروین شاکر....ایکسٹیسی (Ecstacy)

سبز مدھم روشنی میں سرخ آنچل کی دھنک
سرد کمرے میں مچلتی گرم سانسوں کی مہک
بازوؤں کے سخت حلقے میں کوئی نازک بدن
سلوٹیں ملبوس پر، آنچل بھی کچھ ڈھلکا ہوا
گرمیٔ رُخسار سے دہکی ہوئی ٹھنڈی ہوا
نرم زلفوں سے ملائم انگلیوں کی چھیڑ چھاڑ
سرخ ہونٹوں پر شرارت کے کسی لمحے کا عکس
ریشمیں بانہوں میں چوڑی کی کبھی مدھم کھنک
شرمگیں لہجوں میں دھیرے سے کبھی چاہت کی بات
دو دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتی تھی اک صدا
کانپتے ہونٹوں پہ تھی اللہ سے صرف اک دعا
کاش یہ لمحے ٹھہر جائیں، ٹھہر جائیں ذرا!

چودھری محمد علی مضطرؔ....غزل

کیوں اشک آنکھ سے باہر نکل کے دیکھتے ہیں
کہ اُس کو دیکھنے والے سنبھل کے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو الفاظ فرطِ لذّت سے
حریم صوت سے باہر نکل کے دیکھتے ہیں
سنا ہے جب وہ سر بزم مسکراتا ہے
تو جھوم جاتے ہیں عاشق، مچل کے دیکھتے ہیں
سُنا ہے ہاتھ اُٹھائے اگر دعا کے لئے
تو حادثات ارادہ بدل کے دیکھتے ہیں

بنگلہ دیش

ثقلین مبارک (آسٹریلیا)

محل وقوع:

بنگلہ دیش کے شمال، مغرب اور مشرق میں بھارت ہے۔ جنوب مشرق میں اس کی تھوڑی سی سرحد برما سے ملتی ہے اور جنوب میں خلیج بنگال ہے بنگلہ دیش ایک ڈیلٹائی میدان ہے۔ جو کوہستان ہمالیہ سے نکلنے والے چند بڑے دریاؤں سے وجود میں آیا ہے۔ یہ دریا گنگا، برہم پتر، اور میگھنا ہیں۔ جنوب مشرقی حصہ جو چٹا گانگ ڈویژن پر مشتمل ہے۔ نیچی مگر ہموار پہاڑیاں ہیں۔ ان کے درمیان میں کرنافلی اور سانگو دریا بہتے ہیں۔ بنگلہ دیش دنیا کے انتہائی گنجان آباد ممالک میں سے ایک ہیں۔ جس میں 1200 لوگ فی مربع میل آباد ہیں۔

رقبہ و آبادی:

بنگلہ دیش کا رقبہ 55 ہزار 598 مربع میل یا 1 لاکھ 43 ہزار 998 کلومیٹر ہے۔ 20 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔

دارالحکومت اور بڑے شہر:

بنگلہ دیش کا دارالحکومت ڈھاکہ ہے۔ چٹا گانگ سلہٹ اور کھلنا بڑے شہر ہیں۔

کرنسی، زبان اور طرز حکومت:

بنگلہ دیش کی کرنسی ٹکہ ہے۔ دفتری زبان بنگالی ہے صدارتی نظام حکومت ہے۔ مذہب سنی العقیدہ مسلمان ہے۔ بنگلہ دیش نے 16 دسمبر 1971ء کو آزادی حاصل کی۔ ستمبر 1974ء میں اقوام متحدہ کا ممبر بنا۔

درآمدات و برآمدات:

مشینری، ٹرانسپورٹ کا سامان، خوراک کا غلہ، دھاتی ایندھن درآمدات ہیں۔ خام پٹ سن کی اشیاء کھالیں، چائے اور چمڑا برآمدات ہیں۔ مجموعی پیداوار 24 ارب 40 لاکھ امریکی ڈالر ہے۔ تجارت کے لئے بنگلہ دیش زیادہ تر بھارت کے رحم و کرم پر ہے، بہت سا چاول ہندو بھارت کو سمگل کرتا ہے۔

زراعت:

بنگلہ دیش بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ پورے ملک میں 68 ہزار دیہات ہیں۔ زراعت کے شعبہ سے 70 فیصد لوگ روزگار حاصل کرتے ہیں زراعت میں بڑی پیداوار پٹ سن کی ہے۔ جسے سنہری ریشہ بھی کہتے ہیں۔ پٹ سن سے چٹائیاں، ٹاٹ، بوریاں اور رسے بنتے ہیں۔ اور دنیا کے بہت سے ممالک اس کے خریدار ہیں۔ چاول اور چائے بھی بڑی زرعی پیداواریں ہیں۔ بنگلہ دیش پٹ سن پیدا کرنے والا دنیا میں سب سے بڑا ملک ہے۔ یہاں پٹ سن کی ساٹھ لاکھ گانٹھیں تیار ہوتی ہیں اور یہ آدھی دنیا کو خام پٹ سن یا ان کی اشیاء بھیجتا ہے۔ دوسری بڑی اہم فصل چاول ہے۔

خوراک:

بنگلہ دیش میں مچھلیوں کی افزائش کے لئے فارم بھی ہیں۔ پھلوں میں ناریل، کٹھل آم اور لیچی زیادہ مشہور ہیں۔ چاول اور مچھلی بنگلہ دیش کی عام خوراک ہے یہاں بہت سے لوگ بڑی بڑی کشتیوں میں رہتے ہیں جو دریاؤں کے کناروں کے ساتھ ساتھ تیرتی رہتی ہیں۔ وہ اپنی ضرورت کا چاول بھی کشتیوں پر مٹی کی تہہ بچھا کر اُگاتے ہیں۔

صنعت:

پٹ سن کی صنعت بنگلہ دیش کی سب سے بڑی صنعت ہے۔ اس سے پانچ لاکھ لوگ روزگار حاصل کرتے ہیں۔ اس صنعت کے بڑے مراکز نرائن گنج، چٹا گانگ اور کھلنا میں ہیں۔ متحدہ پاکستان کے دنوں میں یہاں سے کاغذ مغربی پاکستان آیا کرتا تھا۔ چٹا گانگ میں فولاد کا کارخانہ بھی انہی دنوں قائم ہوا تھا۔ بنگلہ دیش کی دوسری صنعتوں میں چینی، ادویات، کھاد، ڈیزل انجن اور بجلی کے سامان کے کارخانے شامل ہیں۔ صنعت کا شعبہ ملک کے سات فیصد لوگوں کو روزگار دیتا ہے۔ ہندو یہاں کی تجارت پر چھائے ہوئے ہیں۔ ممبر شپ: بنگلہ دیش دولت مشترکہ، ایشین ترقیاتی بنک، جنوبی ایشیائی کانفرنس، کولمبو پلان اور اسلامک کانفرنس کا ممبر ہے۔

مشہور اخبارات: بنگلہ دیش ابزرور، ہالیڈے، بنگلہ دیش ٹائمز۔

گیس و تیل:

تیل کی سپلائی، خلیج بنگال سے ہوتی ہے۔ ڈرلنگ ترقی کر رہی ہے۔ قدرتی گیس کے پائپ، ٹی ٹاسن اور دوسری جگہوں سے ڈھاکہ تک بچھائے گئے ہیں۔ قدرتی گیس کے ذخائر بنگلہ دیش کے استعمال کے لئے 20 سال تک کافی ہوں گے۔ بھارت اور بنگلہ دیش ایک معاہدہ کے تحت دریائے گنگا کے پانی کے نکاس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ دھاتیں: بنگلہ دیش کی دھاتیں نمک، سفید مٹی اور گلاس سینڈ ہے۔

ذرائع نقل و حمل:

بنگلہ دیش میں آبی راستے بے شمار ہیں۔ کیونکہ تمام ملک میں چھوٹے بڑے دریاؤں کا جال بچھا ہوا ہے۔ وسیع پیمانے پر نقل و حمل اور آمد و رفت ان دریائی راستوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ چٹا گانگ ملک کی بڑی بندرگاہ ہے ملک میں گنگا، برہم پتر، سرما میگھنا اور بوڑھی گنگا بڑے بڑے دریا ہیں۔ اکثر سڑکیں ان دریاؤں پر آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے پاٹ اتنے چوڑے ہیں کہ پل بنانا ممکن نہیں چنانچہ ان دریاؤں کو موٹر کشتیوں کے ذریعے پار کیا جاتا ہے۔ ان دریاؤں میں جولائی سے نومبر تک سیلاب

آتے رہتے ہیں جن سے بڑی تباہی ہوتی ہے۔ یہاں ریلوے لائن بھی بچھی ہوئی ہے۔ طوفان کی سرزمین: بنگلہ دیش سیلابوں اور طوفانوں کی سرزمین ہے یہاں خوفناک طوفان آتے رہتے ہیں۔ پاکستان کی طرح بنگلہ دیش کے بیشتر دریا بھی بھارت سے گزر کر اس ملک میں داخل ہوتے ہیں۔ بھارت نے دریائے گنگا پر فرخا بیراج بنا رکھا ہے۔ وہ خشک دنوں میں تو گنگا کا پانی کلکتہ کی بندرگاہ کی طرف موڑ دیتا ہے لیکن موسم برسات میں بنگلہ دیش کی طرف پانی چھوڑ دیتا ہے جس سے وہاں وسیع علاقے میں سیلاب آجاتا ہے۔

فضائی کمپنی:

بنگلہ دیش کی فضائی کمپنی کا نام بیمان ہے۔

قومی نشان:

نرگس کا پھول۔

(روزنامہ دنیا 23 جولائی 2014ء)

سوہن راہی لندن....سالِ نو کی صبح

رُوح انساں کی جواں تشنہ لبی کی خاطر
زنگ آلودہ تمناؤں کی زنجیر لئے
پھر سحر رات کے زنداں سے نکل آئی ہے
صبح لائی ہے اُجالوں کا چھلکتا ہوا جام
رات کی آنکھوں سے ٹپکا ہے ستاروں کا لہو
تیرہ و تار فضا ڈوب گئی ہے خود میں
دور سورج کی سلگتی ہوئی آہوں سے پرے
میری ہر فکر کی ہر سوچ کی راہوں سے پرے
دل کی آنکھوں سے پرے میری نگاہوں سے پرے
پھر ہوئی فکرِ سفر فکرِ طلب ،فکرِ زوال
پھر وہی تیز مسائل ،وہی خونخوار سوال
پھر سیہ پوش تصور کا سیہ پوش کمال
پھر اٹھائے ہیں تمناؤں نے خوابوں کے کفن
پھر وہی پیٹ کے مانوس تقاضوں کی چبھن
پھر لہو روتی ہے افلاس کی مدقوق دُلہن
رُوح انساں کی جواں تشنہ لبی کی خاطر
زنگ آلودہ تمناؤں کی زنجیر لئے
پھر سحر رات کے زنداں سے نکل آئی ہے

اُردو شاعری میں تاج محل کا ذکر

سہیل انجم (مرسلہ بی اے رفیق)

ایک شخص ایک عمارت کے زیر سایہ کئی گھنٹے سے لیٹا ہوا اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی یہ حرکت ایک دوسرا شخص بغور دیکھتا رہا اور جب اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تو اس دوسرے شخص نے اس کے پاس جا کر کہا کہ بھائی کیا بات ہے تم کئی گھنٹے سے اس عمارت کو گھورے جا رہے ہو، کیا مقصد ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں اپنی آنکھوں سے اس عمارت کے در و دیوار کے حسن کو پی جانا چاہتا ہوں لیکن میری پیاس ہے کہ بجھتی ہی نہیں اور دل ہے کہ دیدار سے سیراب ہی نہیں ہوتا۔ وہ شخص ایک انگریز تھا اور عمارت تھی تاج محل۔ جی ہاں! تاج محل میں کچھ ایسی ہی کشش ہے کہ اس کے دیدار سے نہ تو آنکھیں سیراب ہوتی ہیں اور نہ ہی پیاس بجھتی ہے۔ جس نے ایک بار اس عمارت کا دیدار کر لیا اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بار بار اسے دیکھے اور اپنی تشنہ چشمی کو سیراب کرے۔ تاج محل محض ایک عمارت نہیں ہے بلکہ محبت کی ایک ایسی لازوال نشانی ہے جسے دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں اور اپنی آتش دید کو مزید بھڑکا کر لوٹ جاتے ہیں۔ تاج محل پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، نثر میں بھی اور نظم میں بھی۔ اُردو شاعری بھی اس کے قصیدے سے خالی نہیں ہے۔ ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا کہ اردو زبان محبت کی زبان ہے، پیار کی زبان ہے اور دلوں کو جوڑنے والی زبان ہے۔ لیکن اب تک ایسا کوئی مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا تھا جس میں تاج محل پر لکھی گئی نظموں اور گیتوں کو یکجا کیا گیا ہو۔ یہ کام افتخار الزماں کی قسمت میں لکھا ہوا تھا جو کہ آل انڈیا ریڈیو کے نیشنل چینل میں برسر روزگار ہیں اور اس کے اُردو پروگرام ''منظر'' سے وابستہ ہیں اور ادبی دنیا میں معروف شناخت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ''اردو شاعری میں تاج محل'' کو ایک کتابی شکل میں مرتب کر کے اہل دل کے لئے ایک خوبصورت تحفے کا بندوبست کر دیا ہے۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جو سیاح تاج محل کا دیدار کرنے جاتے ہیں وہ وہاں سے پتھر یا لکڑی یا شیشے یا کسی اور چیز کا بنا ہوا تاج محل ضرور خریدتے ہیں تاکہ وہ اس عظیم عمارت سے اپنی وابستگی کا ثبوت دے سکیں۔ بہت سے لوگ اپنے محبوب کو اسی تاج محل کا تحفہ دیتے ہیں تاکہ وہ اس کے توسط سے اپنے پیار کا اظہار کر سکیں۔ لیکن اب تاج محل کے تحفے میں ایک اور تحفے کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اب کوئی بھی ایسا شخص جو اردو جانتا ہو گا وہ یہ تحفہ خریدے گا اور اپنے اردو جاننے والے محبوب کو اسے پیش بھی کرے گا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ اس کتاب میں تاج محل سے متعلق نظموں کو یکجا کر دیا گیا ہے بلکہ اس لیئے بھی کہ افتخار الزماں نے تاج محل کے شایان شان اس کو چھپوایا بھی ہے۔ اتنا خوبصورت ٹائٹل اور اتنی خوبصورت اچھی

طباعت کہ دیکھتے ہی زبان سے ''واہ تاج'' کا لفظ پھسل جائے۔ کتاب کے شروع میں

فہرست سے قبل ہی غلام محمد بخشی کا ایک قطعہ زیب دامن ہے جو تاج محل کے حسن کی بھرپور گواہی دے رہا ہے۔ اس کے بعد افتخار الزماں نے حرف آغاز کے عنوان سے اس کتاب کے سبب ترتیب اور پھر تاج محل کی تاریخ پر ایک بھرپور مضمون قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ کئی معلوماتی مضامین بھی کتاب میں شامل ہیں۔ جو تعمیری و تاریخی اور شاعرانہ نقطہ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔ افتخار الزماں مغلیہ عہد میں فنون لطیفہ پر روشنی ڈالنے کے بعد تاج محل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شاہ جہاں نے (ہندوستان کو) تاج محل دے کر ہند اسلامی طرز تعمیر اور فنکاری کی تاریخ میں سب سے سنہرے باب کا اضافہ کیا ہے ..... دوہرے گنبد اور سنگ مرمر کا تصور ہمایوں کے مقبرے سے لیا گیا ہے، حضرت شیخ سلیم چشتی کی درگاہ سے سنگ مرمر پر جالیوں کے تراشنے کا انداز، فتح پور سیکری کے قلعہ کے سرخ پتھر کی دیواروں کا مزاج، عماد الدولہ کے مقبرے کی مینا کاری و کشیدہ کاری اور مانڈو کی عمارتوں کے باغات کے حسن کو تاج محل میں شامل کیا گیا ہے''۔ ڈاکٹر عتیق انور صدیقی نے تاج محل کے منظر اور پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ معروف ادیب و صحافی حقانی القاسمی نے افتخار الزماں کی شخصیت پر اظہار خیال کرنے کے ساتھ ساتھ کتاب کے مشمولات پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔''

انہوں نے لکھا ہے کہ اردو شاعری میں تاج محل سے افتخار الزماں کی جستجو کو ایک نئی منزل مل گئی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ بھی وہ ایسی منزلیں تلاش کرتے رہیں گے جہاں صرف اور صرف روشنی ہے، خوشبو ہے، رنگ ہے۔ ایک بہت معلوماتی مضمون دل تاج محل کا ہے جس میں انہوں نے بہت سی ایسی تفصیلات جمع کر دی ہیں جو عام قاری کے لئے بے حد مفید اور معلومات افزا ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس عمارت کی تعمیر میں کافی دشواریاں پیش آئی تھیں اور دن میں ہونے والی تعمیرات کو انجانے ہاتھ رات میں گرا دیتے تھے۔ بالآخر بادشاہ نے بخارا کے چار حقیقی بزرگ بھائیوں کو بلوایا اور انہوں نے اپنی عبادت و ریاضت سے اس پریشانی سے نجات دلائی۔ اس کے ساتھ انہوں نے اس عام تصور سے الگ تصور قائم کیا ہے کہ یہ عمارت محبت کی نشانی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شاہ جہاں نے یہ عمارت جذبہ محبت سے نہیں بلکہ دینی جذبے سے بنوائی تھی اور اس کی ہوائیں وحدانیت کا پیغام لاتی ہیں۔ بہر حال اس کتاب میں ان اہم مضامین کے علاوہ ۱۴۰ اردو شاعروں کا کلام جو کہ تاج محل سے متعلق ہے شامل کیا گیا ہے۔

کتاب کی اہمیت اسی وجہ سے ہے کہ اس میں اردو شاعری میں تاج محل پر لکھی گئی نظموں اور گیتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ بہت سی نظمیں جو بہت پہلے لکھی گئی تھیں وہ بھی اس میں شامل ہیں اور بہت سی نئی نظموں کے علاوہ ایسی نظمیں بھی اس میں شامل ہیں جو شعرا نے افتخار الزماں کی فرمائش پر اس مجموعہ کے لئے بطور خاص لکھ کر دی ہیں۔ اس مجموعہ میں احسان دانش، ساحر لدھیانوی، علامہ اقبال، شکیل بدیوانی، سیماب اکبر آبادی، حفیظ بنارسی، مہدی نظمی، نظیر اکبر آبادی، سلام مچھلی شہری، ناوک حمزہ پوری اور پروین شاکر کی معرکۃ الآرا نظمیں ہیں تو موجودہ عہد کے شاعروں کا کلام بھی اس میں شامل ہے۔ شکیل بدایوانی کی وہ نظم کسے یاد نہیں ہوگی کہ:

اِک شہنشاہ نے بنوا کے حسیں تاج محل
ساری دنیا کو محبت کی نشانی دی ہے

ساحر لدھیانوی کی یہ نظم کون بھول سکتا ہے جس کا آخری شعر یوں ہے کہ:

اِک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

وہیں اصغر گونڈوی نے کہا تھا:

تم بھلا جانتے ہو سچی محبت کیا ہے
کیا اڑا سکتا ہے کوئی بھی محبت کا مذاق

یا پھر اجمل سلطانپوری کا یہ گیت کون فراموش کر سکتا ہے کہ:

میں ترا شاہ جہاں تو مری ممتاز محل
آ تجھے پیار کی انمول نشانی دے دوں

جب اجمل سلطانپوری مشاعروں میں یہ گیت سناتے تھے تو پورا مشاعرہ جھوم جھوم جاتا تھا۔ احسان دانش نے اس عجوبہ روزگار کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

مری طویل خموشی سے بدگمان نہ ہو
ہے لاجواب زمانے میں تاج محل کی تعمیر

تو علامہ اقبال نے کہا تھا:

چشم بینا روضہ ممتاز کی تعمیر دیکھ
سنگ مرمر میں کبھی تخئیل کی تصویر دیکھ

یہ تمام نظمیں اور گیت اس میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ابراہیم اشک، اختر اور ینوی، سکندر علی وجد، سید حرمت الاکرام، شجاع خاور، شفیق جونپوری، اقبال اشہر، شکیل اعظمی، علیم صبا نویدی، فراغ روہوی، قیصر شمیم، کوثر مظہری، محبوب راہی، مخمور سعیدی، معصوم شرقی، مہدی نظمی، ناوک حمزہ پوری، وقار مانوی، بسمل عارفی، عمران عظیم، کمال جعفری، مناظر عاشق ہرگانوی، ابرار کرت پوری، اسدر ضا اور بی سی جین جوہر جیسے شعرا

کا کلام بھی موجود ہے۔ جناب افتخار الزماں نے جب یہ کتاب مرتب کی ہوگی تو بڑے پس وپیش میں پڑے ہوں گے کہ وہ شعرا کو کس ترتیب میں رکھیں۔ زمانی اعتبار سے یا فنی اعتبار سے۔ انہوں نے بیچ کا راستہ یہ نکالا کہ حروف تہجی کے اعتبار سے شعرا کی فہرست سازی کی ہے۔ یہ راستہ محفوظ تو ہوتا ہے لیکن اس میں حفظ مراتب کا خون ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مجموعہ میں بھی بہت سے کلاسیکی شعرا موجود عہد کے شعرا کے پیچھے کھڑے نظر آتے ہیں اور بعض مبتدی شعرا صف اول کے شعرا سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن بہر حال اپنی مجبوریوں کے پیش نظر ہی شاید افتخار الزماں نے بہت سوچ سمجھ کر حروف تہجی کو بنیاد بنایا ہے۔ یہ مجبوری اس قسم کا کام کرنے والے ہر مرتب کے سامنے آتی ہے اور وہی مرتب کامیاب ہوتا ہے جو اس مرحلے سے بحسن وخوبی گزر جائے۔ اس کتاب کے مرتب بھی اس مشکل مرحلے سے سلامت روی کے ساتھ گزر گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر پہلی اور اب تک کی واحد اور آخری کتاب ہے۔ اس کے مرتب ایک لائق ادیب اور صحافی ہیں۔ ان کا یہ کام بلاشبہ لائق ستائش ہے اور اس کے لئے ان کو مبارکباد پیش کی جانی چاہئے۔ انہوں نے اس کتاب کی ترتیب اور اشاعت میں بہت محنت اور دقت نظر سے کام لیا ہے۔ اشاعت اتنی عمدہ اور ٹائٹل اتنا دلکش و دیدہ زیب ہے کہ جس طرح تاج محل پر نظر نہیں ٹھہرتی اسی طرح اس پر بھی نظر نہیں ٹھہرتی۔ یہ مجموعہ تاج محل اور اردو زبان وشاعری سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے گھر میں ہونا چاہئے۔ امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور شائقین اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اپنے جذبہ محبت کا بھرپور ثبوت دیں گے۔ ۴۸۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت پانچ سو روپے ہے جو بظاہر زیادہ لگتی ہے لیکن کتاب کی اہمیت کے پیش نظر زیادہ نہیں ہے کیونکہ ایک تو اپنے موضوع پر یہ پہلی، واحد اور آخری کتاب ہے اور دوسری بات یہ کہ اس کی طباعت، کاغذ، معیار اور خوبصورتی سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا گیا ہے۔ اسے افتخار الزماں سے 09818441377 پر رابطہ قائم کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے یا پھر F-22 سیکنڈ فلور شاہین نئی دہلی سے بذریعہ ڈاک کتاب منگوائی جاسکتی ہے۔ آخر میں اس کتاب سے کچھ بہترین نظموں اور گیتوں کے نمونے ملاحظہ فرمائیں:

شکیل بدایونی

تاج وہ شمع ہے الفت کے صنم خانے کی
جس کے پروانوں میں مفلس بھی ہیں زردار بھی ہیں
سنگ مرمر میں سمائے ہوئے خوابوں کی قسم
مرحلے پیار کے آسان بھی دشوار بھی ہیں
دل کو اک جوش ارادوں کو جوانی دی ہے
اِک شہنشاہ نے بنوا کے حسین تاج محل
ساری دنیا کو محبت کی نشانی دی ہے

اجمل سلطانپوری

ہائے یہ ناز، یہ انداز، یہ غمزہ یہ غرور
اس نے پامال کئے کتنے شہنشاہوں کے تاج
نیم باز آنکھوں میں یہ کیف یہ مستی یہ سرور
پیش کرتے ہیں جسے اہل نظر دل کا خراج
یہ تبسم یہ تکلم یہ سلیقہ یہ شعور
شوخ، سنجیدہ، حیادار، حسیں، سادہ مزاج
آ تیرے واسطے تعمیر کروں تاج محل
آ تجھے پیار کی انمول نشانی دے دوں

اقبال اشہر

میں وقت کی دہلیز پہ ٹھہرا ہوا پل ہوں
قائم ہے مری شان کہ میں تاج محل ہوں

سید حرمت الاکرام

کہتا ہے زمانہ پیارے جسے جذبات کی اس برنائی کا
مرمر کی چٹانوں کی زد پر ٹھہری ہوئی اِک انگڑائی کا
اک نقش جواں ہے تاج محل

سیماب اکبرآبادی

پر سکوں حسن و محبت کا یہ اک طوفان دیکھ
جس کے حسن وعشق دوعنواں ہیں وہ رومان دیکھ

بی ایس جین جوہر

چاندی رات میں سب دیکھتے ہیں تاج محل
ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہو کوئی راج محل

اُردو اَدب میں حالیؔ کا مقام و مرتبہ

(ڈاکٹر خالدہ خاتون)...مرسلہ بی اے رفیق

تاریخ اردو ادب میں ہم مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اُنیسویں صدی ایک خاص اہمیت و مقبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اُنیسویں صدی کو اُردو نثر کے لئے ایک ذرّیں دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا جس میں غالبؔ محمد حسین آزاد، نذیر احمد، سرسید احمد خان، شبلی نعمانی، ماسٹر رام چندر بالخصوص خواجہ الطاف حسین حالی نے اپنے قلم سے ایسا نثری ذخیرہ اردو ادب کو دیا جس سے اردو کا ابتدائی خزانہ ہمیشہ کے لئے گھر گیا۔ زیر بحث مولانا الطاف حالیؔ جو نہ صرف اردو ادب کے کسی ایک پہلو پر اپنی قلم کو جنبش میں لائے بلکہ ادب کے ہر رخ پر ایسے جلوہ نما ہوئے کہ اپنے سے آپ کا نام ایک بہترین نقاد، کامیاب نثار، اچھے مکتوب نگار مضمون و مقالہ نگار اور عظیم شعراء کے طور پر کیا جاتا ہے۔ 1837ء میں الطاف حسین حالیؔ نے ہریانہ کے ضلع پانی پت میں ایک شریف اور اعلیٰ خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ لیکن بدقسمتی سے ایام طفولیت میں ہی شفقت پدری سے محروم ہوگئے اور ان کی دیکھ بھال اور پرورش کی ذمہ داری بھائی بہنوں کے کندھوں پر آپڑی۔ جب سترہ سال کی عمر کو پہنچے تو ان کی مرضی کے خلاف ازدواجی زندگی سے جوڑ دیا گیا۔ ان کو اب فکر معاش اور ضروریات زندگی کے احساس نے دہلی کی سرزمین پر پہنچا دیا۔ دہلی میں ان کو دو عظیم شخصیتیں نواب مصطفی خاں شیفتہ اور مرزا غالب کی شاگردی کرنے کا شرف ملا۔ شروع میں قریباً سات سال تک شیفتہ ہی کے بچوں کو تعلیم دی۔ اس کے بعد پنجاب چلے گئے جہاں لاہور بک ڈپو میں نوکری کی وہاں انگریزی ادب سے اردو میں کتابیں ترجمہ کی جاتی تھیں لاہور میں محمد حسین آزادؔ کے ہم خیال نے بغیر طرحی نظم کی بنیاد ڈالی۔ دوسرے انگریزی ادب سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ مگر کوئی چار سال بعد اسے بھی الوداع کیا اور پھر دہلی میں آکر اورینٹل اسکول میں درس دینے کی ذمہ داری قبول کی۔ آخر میں اسے بھی ترک کر کے اپنے آبائی وطن پانی پت 31/دسمبر پانی پت چلے گئے اور سکونت اختیار کر لی اس جہان فانی سے 31/دسمبر 1914ء میں راہی عدم ہوئے۔ مولانا حالی نے ایک طویل عمر پائی تھی اور اس نے اپنی زندگی میں اس اردو کو جو گھٹنوں کے بل چل رہی تھی، اس کو اس قدر سنوارا اور سجایا کہ عالمی ادب میں اس کا نام آ گیا۔ حالیؔ کو خدا نے وہ صلاحیتیں اور ہمدردی دی تھی جو ایک مصلح قوم میں ہونی چاہئے۔ اس نے ایک ہمدرد انسان کی طرح اسے اپنے قوم کے دکھ درد کو سمجھا۔ سماجی زندگی کی گہرائیوں اور نقائص کو گہری نظر سے دیکھا اور اس کی اصلاح کے لئے قدم ہی نہیں اٹھایا بلکہ بدنامی، رسوائی اور تکلیف کو ہنستے ہوئے گلے لگایا۔ حالیؔ کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر کلیم الدین احمد نے کہا ہے کہ:

''اپنے زمانہ اپنے ماحول اپنی حدود میں حالیؔ نے جو کچھ کیا وہ بہت ہی تعریف کی بات ہے۔'' (اردو تنقید پر ایک نظر ص 87)

مولانا حالیؔ نے ویسے تو بہت سی کتابیں لکھیں لیکن نثر میں پانچ کتابیں اور نظم میں ایک دیوان ترتیب دیا جس کی بدولت ان کو نہ صرف شہرت دوام ملی بلکہ ان کا نام ہمیشہ کے لئے ادبی دنیا میں ہر رخ پر قائم ہوگیا۔ پہلی کتاب ''حیات سوری'' ہے جو 1882ء میں منظر پر ہوئی۔ یہ فارسی کے شاعر سعدیؔ کی ایک مکمل سوانح عمری ہے۔ جس سے ان کی فارسی ادب کی جانکاری کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری ''یادگار غالب'' ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حالیؔ نے اُردو ادب پر احسان کیا کہ غالب جیسے عظیم شاعر کا اتنی جلدی تعارت کروا کر صحیح مقام دلوایا ورنہ غالب کو صحیح حق ملنے میں وقت لگتا۔ تیسری کتاب ''حیات جاوید'' ہے جس میں انہوں نے ایک سچ مصلح قوم و رہنماء ملت سرسید احمد خاں کی زندگی کا بھرپور نقشہ کھینچ کر قوم کے سامنے رکھا کہ کس جدوجہد اور جاں فشانی کے ساتھ سرسید احمد نے قوم و ملت کے ساتھ ساتھ اُردو کی خدمت انجام دی اس کا نقشہ ہم کو حیات جاوید میں ملتا ہے۔ چوتھی اور سب سے مشہور کتاب ''مقدمہ شعروشاعری'' ہے یہ وہی کتاب ہے جس کو حالیؔ نے اپنے دیوان مسدس حالی کے ساتھ 1892ء میں شائع کیا۔ اس مقدمہ کے شائع ہوتے ہی شاعری کی دنیا میں جنگل کی آگ کے مانند ایک شور برپا ہوا۔ پانچویں ''مجالس النساء'' لکھی جس میں عورتوں کی تعلیم کی طرف مسلم قوم کو متوجہ کیا یہ وہی کتاب ہے جن کی بدولت انگریز سرکار سے انعام حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک عربی جولوجی کتاب کا ترجمہ بھی اردو میں کیا۔ علاوہ ازیں وہ مختلف مسائل میں مقالات بھی برابر لکھتے رہے جن کو اب انجمن ترقی بیرون ہند نے ''ملاقات حالیؔ'' کے نام سے دو حصوں میں شائع کر دیا ہے ان مقالات میں بھی ان کی شخصیت اور اسلوب کا ایک خاص رنگ نظر آتا ہے۔ نظر میں ایک ''دیوان مسدس حالی'' ہے جس کے بارے میں سرسید احمد خاں نے تعریف کرتے ہوئے لاہور سے ایک خط میں لکھا تھا کہ

''اگر خدا مجھ سے قیامت میں پوچھے گا کہ تم دنیا سے کیا لائے تو میں مسدس پیش کردوں گا۔''

اس دیوان میں دو نظمیں ایک مدوجزر اسلام ہے جس کو پورے سو سال کے مسلمان کی مکمل تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے جو غلط نہیں ہے اس میں بہادر مرد مومن کا کارنامہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کو پڑھ کر ایک آدمی انسان بن سکتا ہے اور حقیقت میں پست قوم کی اصلاح کے لئے یہ نظم بہت ہی کارآمد ثابت ہوئی ہے دوسری نظم ''مناجات بیوہ'' ہے جس میں سماج کی بدحالی اور غلط رسم و رواج پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد انسانی ہمدردی اور دل سوزی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ایسی طویل نظم لکھی گئی ویسے تو حالیؔ کی ان تصانیف کو لے کر شک کی نظر سے

دیکھا گیا مگر دو کتابیں ایک ''حیات جاوید'' اور دوسری ''مقدمہ شعروشاعری'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ تبصروں اور تنقیدوں کا موجب ہی نہیں بنی بلکہ ادبی دنیا میں آج بھی جامع تحقیقات اور ثبوت ملنے پر بھی دو گروپ بنے ہوئے ہیں۔ شبلی نے کہا تھا کہ ''یادگار غالب'' اور ''حیات جاوید'' میں حالی نے محبت شفقت کی وجہ سے مبالغہ سے کام لے کر تصویر کا صرف ایک رخ دکھلایا گیا ہے۔ مصائب کو نظر انداز کیا گیا ہے اور نقص کو بالکل نظر انداز کیا گیا۔ یا توجیہ کر دی گئی ہے۔ یہ بات بھی حقیقت کے قریب ہے کہ حالی نے ان تصانیف میں صرف خوبی اور اچھائی ہی کو پیش کیا ہے۔ اور نقص کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن اس بات کو بھی یاد رکھنا ہوگا کہ حالی پہلے شخص تھے جنہوں نے سوانح عمری کی بنیاد اردو میں ڈالی۔ اس سے پہلے سوانح عمری کا کوئی نمونہ نہ تھا جس سے مدد لیتے۔ اس لئے انہوں نے جو کچھ بھی لکھا ایک گراں قدر خدمت کے ساتھ ساتھ قابل قدر ہے دوسرے جب انہوں نے اپنے دیوان کے ساتھ مقدمہ شائع کیا جس میں شاعری کیا ہے اور کیا ہونی چاہئے۔ اس پر تفصیل سے گفتگو کی تو ایک دھما کہ ہوا شاعروں کی دنیا میں کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ شاعری سے واقف نہیں۔ کلیم الدین احمد نے کہا کہ:

''....شعروشاعری کا صحیح اندازہ حالی کے بس کی بات نہیں۔ وہ شعروشاعری کی اہمیت اور قدر سے واقف نہیں۔ اس لئے دوسروں کو ان چیزوں سے آگاہ کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔''

(اردو تنقید پر ایک نظر 88)

لیکن پروفیسر کلیم الدین احمد کی بات میں ذرہ سی بھی سچائی نہیں کہ حالی نے شاعری سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی اس طرح کا مقدمہ لکھا ہے جیسے وہ خود ایک عظیم شاعر کا درجہ رکھتے ہیں۔ حالی نے اپنے مقدمہ میں پھر تینوں کی الگ الگ مثالیں دے کر وضاحت کرتے ہیں اور غزل، مثنوی اور مرثیہ کی تعریف کر کے اس پر بھی تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔ مگر جب یہ نسخہ شاعروں کے سامنے آیا تو شاعروں اور ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو بھی سوچنے پر مجبور کیا اور آخر اہل علم وبصیرت اس بات کو مانتے ہیں بقول آل احمد سرور:

''اس بات سے ایک دم انکاری نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حالی نے تنقید کی بنیاد ہی نہیں ڈالی بلکہ شعر کو پہنچاننے کا آلہ بتایا۔ ادب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اس کو الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہمیں مقدمہ شعروشاعری سے پتہ چلتا ہے ادب سے سماجی، معاشی اور اخلاقی کام لیا جا سکتا ہے مقدمہ پہلی اہم کڑی ہے جس نے اردو کے مذاق سخن کو بدل دیا اور یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ زندہ ادب اور کامیاب شاعر کے لے کس راہ پر قدم رکھنا چاہئے۔ انہوں نے ادب کو نئے موڑ سے آراستہ کیا اور ایسی راہ قائم کی کہ آج تک ان کا نام تنقید میں سرفہرست لیا جاتا ہے اور جو لوگ ان کی مخالفت میں تھے رفتہ رفتہ ان کی بات کو مان لیا۔ اس کا احساس خود حالی کو بھی تھا جس نے ایک مصرعہ میں اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ؎

''غل تو بہت یاروں نے مچایا پر گئے اکثر مان ہمیں''

اور آخر میں اردو کے نقاد کو کہنا پڑا۔ افسوس کی بات ہے کہ آج جب لکھنے والوں کو مطمئ نظر حالی کی طرح محدود نہیں جب وہ بہتریں مغربی ادب سے واقفیت رکھتے ہیں اس کے باوجود کسی نے بھی مقدمہ شعروشاعری سے بہتر تنقیدی کارنامہ پیش نہیں کیا۔ کلیم الدین احمد اردو تنقید پر ایک نظر میں!!! مولانا حالی نے اپنی تصانیف اپنے آسان اور سادہ انداز میں لکھیں ہیں کہ بعض مشہور ومعروف ناقدین کی رائے ہے کہ اس کے اسلوب میں بڑی خشکی ہے۔ لیکن یہی سادگی اور سپاٹ مضامین میں ان کو بڑے فنکاروں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں ان کے مضامین میں خیال کی رنگینی اور الفاظ کی بناوٹ نہیں ہے وہ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہمیں سیدھے سادے اور آسان الفاظ کے ساتھ کہتے ہیں وہ پیچیدہ سے پیچیدہ باتیں بھی سادگی سے کہہ جاتے ہیں جیسے کوئی معمولی چرچہ ہو جیسے 1857 کا غدر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جب بھی اس واقعہ میں مضمون تصوف اور فلسفہ کو جگہ دی۔ فلسفیانہ انداز اور قیاس آرائی سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ ہر جگہ ایک ہی اسلوب سے کام لیا۔ سادگی کا ذکر کرتے ہوئے مجنوں گورکھپوری نے کہا:

''سادگی اور فطری انداز پر زور دیا اور اردو شاعری میں آج جو سیدھا پن اور فطری انداز پایا ابتدا ہی سے اردو شاعری کی دنیا میں ''عورت'' ایک اہم اور خاص موضوع رہا ہے لیکن اس کو صحیح نظر سے سب سے پہلے حالی نے دیکھا۔ ان سے قبل عورت شاعری کی دنیا میں صرف معشوق بن کر محبوب کی شکل میں عشق ومحبت کی کہانی بن کر بالخصوص طوائف کے روپ میں ہی نظر آتی تھی۔ اس کے برعکس حالی نے قدم اٹھایا اور خواتین کو ایک جاندار اور مثالی کردار بنا کر پیش کیا سماج میں اس وقت تک عورت کو حقیر سمجھا جاتا تھا صرف مردوں کا دل بہلانے کا ذریعہ اپنے شوہر کے مرنے پر حقارت کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی اور ہندو سماج شعور کی چتا کے ساتھ ظلم کو برداشت کرتے ہوئے چلنا، چہار دیواری میں مقید رہنا۔ تعلیم سے کوسوں دور رہنا ہر ظلم کو خاموشی سے برداشت کرنا ہی ان کا دھرم مانا جاتا تھا۔ حالی کا کہنا درست ہے کہ خواتین سماج کی ایک اہم رکن ہیں۔ یہ ماں بن کر انسانیت کو جنم دیتی ہے بہن بن کر پرورش کرتی ہیں۔ اس کی گود میں دنیا نے پرورش پائی بادشاہ سورما اور فنکار کو اپنے سینے کا دودھ پلا کر پالا۔ سماج میں عزت بھی انہیں سے ہے۔ ہر غم والم میں برابر ساتھ دیتی ہیں۔ حالی نے سماج میں اس کا جو حق تھا ان پر دھیان دیا عورت ذات کو مخاطب کر کے وہ کہتے ہیں کہ ظلم کے خلاف ہر قدم پر حق کا نعرہ بلند کرو! مولانا حالی زمانہ حال کو سب سے زیادہ اہمیت اور ترجیح دیتے

تھے وہ جس تحریک سے منسلک تھے اس کا بھی مقصد یہی تھا دوسرے جس زمانہ میں وہ لکھ رہے تھے اس وقت ہندوستان کے باشندگان کے لئے ایک امتحان کی گھڑی تھی ایک طرف اپنے اجداد کی پرانی رسم و رواج دوسری طرف انگریزی سرکار کی حکومت برسراقتدار ہو چکی تھی اس لئے سب سے زیادہ انگریزی ادب کی اہمیت تھی لیکن انگریزی پڑھنا ادب کے ذریعہ ہی نئے نئے علوم اور ٹکنالوجی کی ایجاد ہو رہے تھے اور قدر کی نگاہ اہل انگریزی ہی کو دی جاتی تھی اس لئے حالیؔ، میرؔ اور سوداؔ کی پرانی روش ترک کر کے زمانہ کے ساتھ گھاٹے پر صلح کر لی اور لوگوں کے اس کی طرف رجوع کیا کہ زمانہ اگر بدلتا ہے تو تم بھی بدل جاؤ اور زمانہ کے مطابق ہی قدم اٹھاؤ۔ مولانا الطاف حالیؔ کا ایک اہم کام یہ ہے کہ انہوں نے محمد حسین آزاد کے ہم خیال ہو کر پنجاب میں انجمن پنجاب کے نام سے ایک ادبی تحریک کی بنیاد رکھی اور اس تحریک کے ذریعہ ایسے ایسے کام انجام دیئے کہ اس وقت تک اردو ادب میں اس کا ذکر نہیں تھا موضوع شاعری کی شکل میں نظم لکھوا کر پڑھنا اور اس کی اہمیت اور مقبولیت پر دھیان دیا دوسرے نیچرل شاعری کا بھی اردو میں وجود نہ تھا اس کی کمی کو محسوس کیا اپنے اور دوسرے حضرات اہل قلم سے مختلف موضوعات اور مناظر قدرت پر نظمیں لکھ کر شاعری میں ایک نئی چیز کی بنیاد ڈالی۔ زمانہ کی روشنی کی پیروی کرتے ہوئے حالیؔ نے اپنے تصانیف میں جگہ جگہ انگریزی الفاظ کا خواہ مخواہ استعمال کر دیا ہے جو قاری کو مطالعہ کرتے وقت ناگوار معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسے انگریزی الفاظ جن کا ہم معنی لفظ کا خواہ مخواہ استعمال کر دیا ہے جو قاری کو مطالعہ کرتے وقت ناگوار معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسے انگریزی الفاظ جن کا ہم معنی لفظ اردو میں آسانی سے مل سکتا ہے پیش کیا ہے اگر انہوں نے یہ سوچ کر انگریزی الفاظ سے اردو خزانہ بھر دیا اردو ادب الفاظ سے بھر جائے گا تو ایسے الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے تھا جن کا بدل ہمارے یہاں مشکل ہے تو یہ ایک اہم خدمت ہوتی مگر ایسے الفاظ مثلاً پولیٹیکل، مورل، شوشل وغیرہ کو داخل کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے یہ ان کی ایک بڑی خامی کہی جائے گی۔

مولانا حالیؔ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جب بھی کوئی بات کہی ہے اس کا پورا ثبوت فراہم کر کے قاری کے سامنے رکھا ہے سنی سنائی باتوں پر کبھی بھی قاری مطالعہ کے بعد سوچنے پر مجبور نہیں ہوتا نہ وہ تشنہ رہتا ہے اور نہ شاکی بنتا ہے۔ حالی کے عملی شعور کو پروان چڑھانے میں دو باتوں کا اثر رہا ہے ایک تو اردگرد کا ماحول دوسرے سرسید احمد خاں غالب، شیفتہ، محمد حسین آزاد جیسے فنکاروں کی شفقت و محبت کا سایہ ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رہا۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ کا اتنا علمی سرمایہ اُردو ادب کے خزانہ میں جمع ہے۔ ان کی کتابیں اور تصانیف آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنی رہیں گی اور جسے تعلیم یافتہ ہمیشہ اونچی نگاہ سے دیکھے گا۔

ایک اہم سوال..آپ کے ضمیر سے!

(عاصی صحرائی)

بتائیں وہ کون سا ملک ہے۔ جہاں خود وزیرِ اعظم اور بھائی چیف منسٹر، بیٹی سو اَرب روپے کی اسکیم کی مالک، بھتیجا ڈپٹی چیف منسٹر، سمدھی وزیر خزانہ، بیوی کا بھانجا بجلی کا وزیر، لوگ پھر بھی اسے جمہوریت کہتے ہیں۔ بتائیں وہ کون سا ملک ہے جہاں پورے ملک کے بجٹ کا ۷۰ فیصد ایک صوبے کے ایک شہر پر لگایا جاتا ہو، خواتین کی خصوصی نشستوں میں سے ۶۰ فیصد ایک ہی شہر کی خواتین کو دے دی جائیں، بیس سال ایک صوبے پر حکومت کرتے ہو جائے اور پھر بھی اسی صوبے میں ایک ہی بارش سے نظامِ زندگی معطل ہو کر رہ جائے، اور پھر بھی اُسے ترقی کہا جائے، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جس کے حکمران جیسے ہی حکومت میں آتے ہیں، اُس ملک کے اَثاثے کم اور حکمران ٹولے کے اَثاثے بڑھنے لگ جائیں، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جس میں بیرونی دوروں پر چھبیس اَرب روپے خرچ کر دیئے جائیں۔ بتائیں وہ کون سا ملک ہے جس کا حکمران جب باہر دورے پر جاتا ہے تو اپنے قریبی عزیزوں کو ضرور لے جاتا ہے، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جہاں عوام کے ٹیکس کی رقم سے دس اَرب روپے کے ایڈز دیئے جاتے ہیں، پھر بھی وہاں کے حکمران کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی کرپشن نہیں کی، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جہاں اگر صدر کا ہیلی کاپٹر لینڈ کرنا ہو تو کسان کے گندم کے کھیت جلا دیئے جاتے ہیں، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جہاں وزیراعظم ہاؤس کے ایک دن کا خرچ چونتیس لاکھ روپے ہو، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جہاں سیکیورٹی کے نام پر ۲۵۰۰۰۰۰ لاکھ کے کتے خرید لیئے جائیں اور پھر اُسے سادگی کہا جائے، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جہاں عوام دیکھ رہے ہوں کہ ایک باپ نے اپنی جگہ لینے کو اپنی بیٹی، ایک باپ نے اپنا بیٹا، تیار کر رکھا ہو کہ ہمارے بعد یہ ہماری پارٹیوں کے سربراہ ہونگے اور پھر بھی عوام نسل در نسل اس غلامی کو بخوشی تیار ہوں، بتائیں وہ کون سا ملک ہے جس میں اکثر وزراء کو نماز تک نہ آتی ہو بلکہ وزیر داخلہ کو تلاوت کرنے کو کہا جائے تو قُل ھو اللہ تک بھول جائے، اس کے علاوہ جمشید دستی کے بقول سب وزراء کے کمروں کے باہر ولایتی شراب کی بوتلیں روزانہ خالی پڑی ملتی ہوں۔ اور اکثر وزراء جعلی ڈگری بردار ہوں، اور اکثر پر زنا بالجبر، کرپشن، اقربا پروری، اور انسانی حقوق کی پامالی کے الزامات ہوں اور نیب کے پرچے ہوئے ہوئے ہوں، اور وی آئی کلچر کے دلدادہ یہ عوام کے مینڈنٹ سے آئے ہوئے لوگ عوام پر ظلم روا رکھے ہوئے ہیں، جنہوں نے سازش سے، بے ایمانی، سے، الیکشن کمیشن کی جانبداری سے عوام کا مینڈنٹ چوری کیا ہو، عوام کو صحت و تعلیم کی بجائے اپنے کمیشن کی خاطر جنگلہ بس دی ہو، جو مساجد میں احمدیوں کو خود مروائیں، طالبان کے سرپرست خود ہوں، ونی کے قائل، ملاوٹ کے دلدادہ، جعلی اَدویہ بنانے کے قائل، اخلاق باختہ، بے ایمان، راشی و

مرتشی، چور، ڈاکو، لٹیرے، بجلی چور، ہر قسم کے جرائم میں یہ ملوّث نام نہاد مسلمان، لاقانونیت کے متوالے، ایمان فروش، حتیٰ کہ ضمیر فروش یہ حکمران تختہ دار پر لٹکانے کے قابل ہیں۔ یہ کسی ایک جماعت کے خلاف بات نہیں کر رہا بلکہ یہ پڑھ کر سوچ کسی ایک جماعت کی طرف جاتی ہے، تو سمجھ جائیں کہ یہ باتیں سچ ہیں، کیونکہ میں نے کسی جماعت کا نام نہیں لیا، پھر بھی یہ نشانیاں آپ کی سوچ کو وہاں تک لے جائیں گی جہاں تک آپ کو جانا چاہیئے۔ آگے آپ خود سمجھ دار ہیں۔

محبت اور اشفاق احمد

(تلقین شاہ)

میرا پہلا بچہ میری گود میں تھا۔ میں ایک باغ میں بیٹھا تھا اور مالی کام کر رہے تھے۔ ایک مالی میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

''ماشاءاللہ بچہ بہت پیارا ہے۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے۔''

''میں نے اُس سے پوچھا:

''تمہارے کتنے بچے ہیں؟''

وہ کہنے لگا:

''میرے آٹھ بچے ہیں۔''

جب اس نے آٹھ بچوں کا ذکر کیا تو میں نے کہا کہ:

''اللہ اُن سب کو سلامت رکھے لیکن میں اپنی محبت آٹھ بچوں پر تقسیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

یہ سُن کر مالی مسکرایا اور میری طرف چہرہ کر کے کہنے لگا:

''صاحب جی! محبت تقسیم نہیں کیا کرتے۔ محبت کو ضرب دیتے ہیں۔''

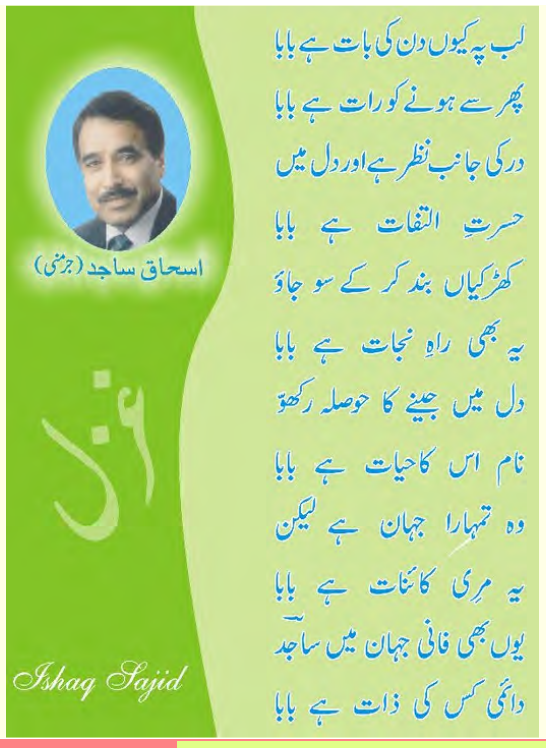

مسلم سلیم....غزل

مغربی بازاریت کی دین یہ ہیجان ہے
حُسنِ نسواں اب فقط تفریح کا سامان ہے
مکر آرائش ہے اُسکی، جھوٹ اسکی شان ہے
مت بہک جانا، یہ گورا میڈیا شیطان ہے
خود تو گویا قتل و غارت، ظلم سے انجان ہے
ہر برائی کے لئے اسلام پر بہتان ہے
اُس کی ہرزہ گوئیوں پر مہرِ استحسان ہے
ہم نے گر کچھ کہہ دیا تو ہر طرف طوفان ہے
حق پہ جینا، حق پہ مرمٹنا ہی اُسکی شان ہے
سچ تو یہ ہے دہر میں مسلم ہی بس انسان ہے

دریا ہے رواں خوں کا مرے قامت و قد میں
لے جانا لہو جب بھی کمی پاؤ رسد میں
کمرے میں ہوس کو تو چھپا سکتے ہو لیکن
یہ عشق ہے اور عشق ٹھہرتا نہیں حد میں
اِک وہ نہیں شہر میں مجرم تو بہت تھے
بس یہ ہے کہ وہ آ گیا الزام کی زد میں
کیا اُس نے چھپا رکھا ہے ہمدردی کے پیچھے
بو گل کی تو ہرگز نہیں گل پوش مدد میں
سرخی سے دمکنے لگا اشعار کا چہرہ
کچھ خون کیا صرف جو اظہار کی مد میں
تخلیق تو خود اپنی سند ہوتی ہے مسلم
ناداں ہیں وہ لوگ جو الجھے ہیں سند میں

بشارت احمد بشارت جرمنی...غزل

دنیا کے ایسے دیسوں میں
جہاں پانی صاف نہ پینے کو
اور سانس ملے نہ جینے کو
زخمی بیمار تڑپتے ہوں اور پوچھنے والا کوئی نہ ہو
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے، ہم بدلیں گے

جہاں سب سے روٹی چھن جائے
اور دن میں ہر شہ لُٹ جائے
مظلوم بے چارہ پِٹ جائے
فریاد کا پنچھی مر جائے
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

جہاں دین کے نام پہ نفرت ہو
کہیں ذات کے نام پہ نفرت ہو
تقسیم میں ساری ملت ہو
چاہت کی ہرسو قلت ہو
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

جہاں ہوکے ہوں اور آہیں ہوں
جہاں خاروں سے پُر راہیں ہوں
ہر جانب موت کی بانہیں ہوں
ہر شہ پہ ظالم قابض ہوں
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

جہاں راج درندے کرتے ہوں
سڑکوں پہ شرفاء مرتے ہوں
جہاں خون ہو سستا پانی سے
نفرت ہو پیار کہانی سے
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

جہاں تالے ڈال کے ہونٹوں پہ
زندان میں چھوڑا جاتا ہو
رگِ جاں کو نچوڑا جاتا ہو
اور توڑ کے قلم دواتوں کو بم تھمایا جاتا ہو
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

جہاں حق کی بات پہ سچوں کو
کچلا اور روندا جاتا ہو
جہاں عدل نہ ہو ایوانوں میں
مجبور کا خوں پیمانوں میں
سب پیتے ہوں اور جیتے ہوں
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

عورت کو لونڈی جانتے ہوں
نہ اُس کی عظمت جانتے ہوں
کوٹھے پہ اُسے نچاتے ہوں
وحشت سے جلایا جاتا ہو
جہاں اُس کو دھمکایا جاتا ہو
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

جہاں عورت نوچی جاتی ہو
اُسکی عصمت لوٹی جاتی ہو
جہاں سولی چڑھائی جاتی ہو
اور زندہ جلائی جاتی ہو
جہاں گود اُجاڑی جاتی ہو
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

جہاں بچے ڈھونڈیں ماؤں کو
غرباء ترسیں دواؤں کو
جس تن میں غم کے ڈیرے ہوں
بچپن میں گھپ اندھیرے ہوں
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

مجبوری کی دوپہروں میں
جہاں آگ میں جلتا بچپن ہو
جہاں ننھے ہاتھ پہ چھالے ہوں
مجبوری کے جو پالے ہوں
جیون سے دور اُجالے ہوں
سینے میں غم کے لالے ہوں
آنکھوں سے آنسو جاری ہوں
لوری کے بدلے گالی ہو
ہر ایسے دیس کے حاکم کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے
سب ایسے غلط نظاموں کو ہم بدلیں گے ، ہم بدلیں گے

پاکستان کا قصور

(رانا عبدالرزاق خان)

کچھ دیر کے لئے یہ مان لینے میں کیا حرج ہے کہ دنیا کو پاکستان میں کچھ اچھا نظر نہیں آتا۔اور سب ممالک اس تاڑ میں ہیں کہ وہاں سے کوئی بُری خبر آئے اور یہ پراپیگنڈہ کریں اور پاکستان کو بدنام کریں۔اس میں پاکستان کا کیا قصور کہ جغرافیائی کے لحاظ سے ہمسائے بھی اس قسم کے ملے جو کہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔اور پاکستان کو مشکوک نظروں سے ہر وقت دیکھتے ہیں۔انڈیا،افغانستان،ایران۔مگر چین کی پاکستان سے کیسے ہمالیہ جیسی دوستی ہے۔جبکہ نہ اُن کا دین ایک،نہ زبان ایک،نہ کلچر ایک،نہ رنگ ایک،نہ نسل اور نہ تہذیب ایک۔جن اقوام کی سرحدیں پاکستان سے نہیں ملتی وہ کیوں اس ملک خداداد سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔امریکہ وہ پاکستان کو ایک جوتا ڈرون کا مارتا ہے اور پھر تشریف پر امداد کا مرہم رکھ دیتا ہے۔ پاکستان کے بے ضمیر کشکول بردار ان کی جیب کی گھڑی بن جاتے ہیں۔ذرا اپنی کرتوتوں پر بھی غور کرلیا کرو۔ہر وقت مذہب کا ڈھنڈورا پیٹتے ہو جبکہ ساری عوام کا اسلام سے عملاً کوئی تعلق نہیں۔نعرہ اسلام کا چکرا اسلام آباد کا۔سارے غیر اسلامی اعمال ہیں میری قوم کے۔کون سا عمل ہنود و یہود کا پاکستانی قوم میں نہیں۔تم لوگوں نے بھارت کے خوف سے ایٹم بم تو ساری قوم کی دولت لگا کر راتوں رات بنا لیا۔مگر اسلامی اصولوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے انسانیت کی خاطر بنیادی سہولتیں اپنی قوم کو آج تک نہ دے سکے۔صحت،تعلیم،پانی،بجلی،انصاف،روزگار،امن ،وغیرہ۔دہشت گردی میں جذباتی نوجوانوں کو(اسلام اور جہاد کے نام پر)جھونک کر مسلم کے لئے ہی مسلم کا خون اَرزاں کر دیا۔اسلام کے نام نہاد ٹھیکدار ممالک نے ضیاءالحق کے اسلام کو پروموٹ کرتے ہوئے اُمت مسلمہ کو گمراہ کیا۔جو اس وقت جہاد کے فتاویٰ دے رہے تھے آج انکل سام کے کہنے پر امام کعبہ اور نام نہاد علمائے سُو اُسی جہاد کو دہشت گردی قرار دینے لگے ہیں۔اُسی جہاد نے پاکستان کا نام ساری دنیا میں بدنام کیا اور اسلام کا چہرہ بھی مسخ کیا۔بلکہ سارے پاکستان کے چہرے کو لہولہان کر دیا۔جن ممالک نے جہادِ افغانستان میں روس کے خلاف امریکہ کی کھلے دل سے مدد کی تھی ان کے سربراہوں کا انجام کیا ہوا۔پاکستان کو اپنی پالیسیاں انسانی اور پُرامن بنانی چاہیئں۔ایٹم بم جو بنایا تو ایک کالا باغ ڈیم بھی بنایا ہوتا۔پاگلوں کی طرح انکل سام کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں۔اور آج پھر بڑا سا کشکول پکڑے در بدر پھر رہے ہیں۔مُلاں کو سر پر چڑھا کر تم نے اپنا چہرہ لہولہان کرلیا ہے۔مذہب کی بے شک ضرورت ہوتی ہے مگر اُسے مقدم کر کے انسانی حقوق کا خون کرنا بھلا یہ تو اسلام نہیں۔

مساجد اور چرچز میں خون،کراچی میں خون،اقلیتوں کا خون،یہ سب کیا ہے۔اسلام ہے یا اسلام آباد۔اپنے محسنوں کو تم نے ایک ایک کر کے مارا اور بے عزت کیا،کیا یہ احسان فراموشی کی حد نہیں کی گئی؟احسان فراموشوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی ہماری قوم نے عزت نہیں دی۔یہاں تک کہ علمائے سُو کے کہنے پر اس کے قبر کے کتبے کو بھی کالا کر دیا۔اپنے ملک کو تم کچھ دے نہیں سکے۔اور اب بلوچوں کی کیا عزت ہوری ہے ۷۰ لاکھ بلوچوں کو آپ سنبھال نہیں سکتے۔اور ٹھیکیدار بنتے ہو فلسطین کے،کشمیر کے،شام کے،عراق کے،مصر کے۔اور خود کو ایٹمی قلعہ کہتے ہو۔یہ ایٹم بم نہیں یہ غریب کے در پر بندھا ہوا ہاتھی ہے جس کی خوراک پوری نہیں ہو رہی۔سارے ادارے،واپڈا،سٹیل ملز،پی آئی اے،ریلوے،تمام تباہی کے کنارے پر ہیں۔تعمیر پاکستان میں جانیں دینے والے خاندانوں کو تم عزت نہ دے بلکہ ان کی عزت کا خون کیا۔چوہدریسر ظفراللہ خان تو قادیانی تھے جو پہلے وزیر خارجہ مملکت خداداد تھے۔اُن کی آپ سے عزت نہ ہوسکی مگر عالمی عدالت نے اُنکو عزت دے دی پھر اُس کی جماعت کو دھونس اور دھاندلی سے ،علمائے سُو کو راضی کرنے کے لئے غیر مسلم قرار دے دیا۔یوں ایک تحریک پاکستان میں حصہ لینے والی واحد جماعت کو قومی دھارے سے الگ کر دیا گیا۔اور منکرین پاکستان کو اسلام کے نام پر پروموٹ کیا گیا اور لال مسجد ان کا مرکز بنی،اسی طرح اب شیعہ کمیونٹی اور ہزارہ کمیونٹی کو شکار کیا جارہا ہے۔،کیا آفتابِ موسیقی بڑے غلام علی خاں بھی قادیانی تھے جو آپ کے سلوک سے تنگ آکر واپس انڈیا سدھارے،قرۃ العین حیدر تو کرسچین نہ تھی مگر اسے بھی پاکستان چھوڑنا پڑا،سب ہندو،اور دوسری اقلیتیں ملک چھوڑنے پر کیوں مجبور کر دی گئیں،حسین شہید سہروردی کو پہلے وزیراعظم بنایا پھر غدار بنا دیا،،ملالہ اگر قوم کی بیٹی ہے تو وہ پاکستان کیوں نہیں آسکتی۔مانا کہ تمہاری بیرون ممالک میں کوئی عزت نہیں کرتا تم اپنوں کی کتنی عزت کرتے ہو،محمد علی جناح کو کتنی عزت دی،بس نوٹوں پر اس کی تصویر چھاپ دی۔دفتر میں اُس کی تصویر لگا کر ہر وہ کام کیا جس کی اس نے ممانعت کی تھی۔خان لیاقت علی خان کو شہید کروایا گیا بھٹو کا جوڈیشل قتل کیا گیا،بے نظیر کو طالبان سے مروا دیا گیا۔فاطمہ جناح کو دیدہ دانستہ ہرا دیا گیا۔جب ۱۳ سال کی بچی توہین رسالت میں بری ہوتی ہے تو اُسے بھی جاں بخشی کے لئے بیرون ممالک رہنا پڑتا ہے۔اور اس پر الزام لگانے والا پھولوں کا ہار پہنے انہی گلیوں میں گھومتا پھرتا ہے۔بنگالیوں کو اتنی عزت دی کہ سات ہزار سالہ تاریخ میں اکثریت،اقلیت سے تنگ آکر بھاگ گئی تمہیں تو اس حرکت پر نوبلز پرائز ملنا چاہیئے تھا۔جوش ملیح آبادی تو نہرو کا ہاتھ جھٹک کے آیا تھا وہ فقیر ہو کے کیوں مرا۔فیض صاحب تو کہیں سے نہیں آئے تھے تو وہ بیروت،ماسکو اور لندن رہنے پر کیوں مجبور ہوئے۔پھر تمہارے علمائے سوء اُسامہ بن لادن کو شہید،طالبان کو شہید،اور پاک فوج کے جوانوں کی شہادت کو حرام موت

قرار دے رہے ہیں۔ بے گناہ گورنر پنجاب جناب سلمان تاثیر کو قتل کرنے والا قادری ،جیل میں وی آئی پی قید کاٹ رہا ہے جبکہ پاکستانی قوم کو خون میں نہلانے والے طالبان، جو جیلوں میں بند ہیں، ججز انکو سزائے موت دینے سے ڈرتے ہیں۔ اور انتظامیہ طالبان سے ملی بھگت سے جیلیں تڑوانے میں ملوث ہے۔ پاکستانی قوم، دونمبری ،ڈرگ سمگلنگ، دہشت گردی، ملاوٹ ، اقرباء پروری، دھونس دھاندلی، انٹرنیشنل بدمعاشی، سانحہ بمبئ، مجاہدین کی فراہمی، لال مسجد کیس، بے ایمانی اور کذب بیانی، کافر سازی میں نام پیدا کر چکی ہے۔ تم ایک غلام قوم کی ذہنیت رکھتے ہو۔ کبھی سرمایہ دار ،کبھی تاجر کبھی امریکہ کبھی برطانیہ کو اور اب انتہا پسند کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ کوئی محبِ وطن پالیسی آپ سے نہیں بنتی ،اقرباء پروری کی بدترین مثال تم ساری دنیا میں بن چکے ہو۔ بڑا بھائی وزیراعظم، چھوٹا وزیراعلیٰ، بیٹی سوارب کے پروگرام کی انچارج، بھانجا وفاقی وزیر بجلی، سمدھی، وزیرخزانہ، اس سے بھی ایک طویل فہرست اقرباء پروری کی ہے۔ یوں بنے چلے ہیں امیر المومنین۔ یہ ایسے ہیں جو ہماری قوم کے بڑے بڑے بیوقوفوں سے سرزد ہوئے ہیں اس لئے پاکستان کا چہرہ مسخ ہوا ہے۔ اور اسی لئے تن تنہا اور پریشان ہے۔ اس قوم نے ملک کے ہر ایک محکمہ، ہر ایک شعبے میں ڈاکے ڈالے ہیں کہ اب سب اقوامِ عالم کا اس سے اعتماد اُٹھ گیا ہے۔ پاکستان کا یہی قصور ہے۔ تاریخ گواہ ہے جب اقوام اپنا قبلہ درست نہیں کرتیں تو ہلاکو خان، چنگیز خان، کمال اتاترک کے ذریعہ خدا ظالموں پر بڑے ظالم مسلط کر کے انقلاب لایا کرتا ہے۔

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ....سلام

دکھوں کی تفصیل لکھنے بیٹھوں تو اشک اپنے تمام لکھوں
لہو میں ڈوبیں جو حرف سارے، امام تیرا سلام لکھوں
وہ جس نے سجدے میں سر کٹا کے ہمیں نوازا بلندیوں سے
وفا کے سجدوں کے شاہ کو ہی میں آج شاہ و امام لکھوں
یہاں سکینہ کا، اصغر ،اکبر کا اور قاسم کا تذکرہ ہے
ورق ورق پر ہیں اشک پھیلے میں حرف حرف احترام لکھوں
مجھے شہیدوں کا ذکر کرنا ہے سوچ کو معتبر تو کر لوں
قطار میں سارے لفظ رکھوں ، ملے جنہیں پھر دوام لکھوں
ہماری گلیوں میں قتل کب تک روا رہے گا ،سوال پوچھوں
ہمارے ظلمت کدے میں کب ہو گا روشنی کا قیام لکھوں
یہی تقدس ہے اب تو میرا،اسی سے نجمہ مری حفاظت
میں اپنی چادر کے چاروں کونوں پہ بی بی زینب کا نام لکھوں

دلاور فگار مرحوم کراچی

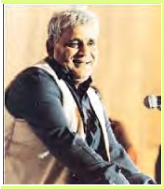

(مرسلہ: زکریا ورک کینیڈا)

برخوردار

کھڑے تھے ایک برخوردار کل نزدیک ریگل کے
میں سمجھا یہ کوئی سرسید و اقبال ہیں کل کے
کہا میں نے نام تمہارا، بولے سر فراز اختر
کہا کالج میں پڑھتے ہو تو فرمایا یس سر
کہا میں کہ آئندہ بھی پڑھنے کا ارادہ ہے
تو فرمایا کہ جو کچھ پڑھ لیا وہ بھی زیادہ ہے
نہ میں پیچھے کو ہٹتا ہوں، نہ میں آگے کو بڑھتا ہوں
فقط دس سال سے صرف ایک درجہ میں پڑھتا ہوں
میں اپنے وقت کا سب سے بڑا فرہاد و مجنوں ہوں
مجھے دیکھو کہ میں کیا ہوں، یہ مت سوچو کہ کیوں ہوں
میں سن باسٹھ کی ہرپکچر کی ہیروئن پہ مرتا ہوں
محبت میرا پیشہ ہے یہ بزنس میں بھی کرتا ہوں
میرے ہاتھوں میں جنگ آزادی کا جھنڈا ہے
سیاست میری گلی ہے الیکشن میرا ڈنڈا ہے
میں اب لیڈر بنوں گا، قوم کو رستہ دکھاؤں گا
بہت دن بن چکا الو، اب اوروں کو بناؤں گا
مجھے اردو میں کوئی رائٹر قابل نہیں ملتا
پڑھوں انگلش تو اس سے بھی سکون دل نہیں ملتا
نہ اردو ہے زباں میری نہ انگلش ہے زباں میری
زبان مادری کچھ بھی نہیں گونگی ہے ماں میری
صحافی سین سے لکھا ہے اور ز سے ڈکی میں نے
کیا ہے ترجمہ خوش قسمتی کا گڈلکی میں نے
بڑی خوش قسمتی آیا ہوں میں دسویں سے انٹرتک
نہیں تھا یاد مجھ کو امتحاں میں رول نمبر تک
سوال لازمی کا آنسر فی الفور کیا لکھتا
بجز اس کے کہ گھر میں خیریت ہے اور کیا لکھتا
ادب میرا میرے کالج میں کچھ ٹیچر بھی کرتے ہیں
رہے ڈیڈی وہ بیچارے میری صورت سے ڈرتے ہیں

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری

کا اپنی 'زبان' کے بارہ میں اپنا اقبالی بیان جس سے وہ ساری عمر پاکستان کی توہین کرتا رہا

''کُتیا تھی جو بھونکتی رہی''

''شاہ جی! آپ کو ذیابیطس کی شکایت کب سے ہے؟''

جواب دیا:

''یہ مرض سکھر جیل میں میرے ساتھ آ لگا تھا۔ ابھی تک سنگت نبھا رہا ہے۔''

''ان دنوں جب کہ آپ اس قدر بیمار ہیں اور پبلک لائف سے بھی ریٹائرڈ ہو چکے ہیں، کبھی دیرینہ رفقاء سے کوئی ملنے آیا؟''

جواب میں مسکرائے اور کہا:

''بیٹا! جب تک یہ کُتیا (زبان) بھونکتی تھی، سارا برصغیر ہندو پاک ادارت مند تھا۔ اس نے بھونکنا چھوڑ دیا ہے تو کسی کو پتہ ہی نہیں رہا کہ میں کہاں ہوں۔ ہاں دیرینہ میں سے ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی میرے ہاں آ ہی جاتے ہیں۔''

(حیاتِ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ از جانباز مرزا)

حبیب جالب کو جواب دو!

(سفیر احمد)

حبیب جالب نے اپنی شاعری میں قوم کو سمجھانے کی انتھک کوششیں کیں تھیں۔ مگر سب بے سود ہی رہیں۔ قوم نے اس کی باکمال شاعری کا کوئی اثر نہیں لیا۔ پھر اس نے ایک نہایت سادہ شعر کے ذریعے، لوگوں سے پوچھا۔ ظالموں یہ تو بتاؤ کہاں پر یہ ممکن ہے۔ اس زمین کے کون سے کون پر یہ نظام رائج کہہ۔

ظلم بھی رہے اور امن بھی ہو
کیا ممکن ہے تم ہی کہو؟

ہم لوگ اس وقت تو جالب کے اس سوال کا جواب دینے کے لئے اتنے تیار نہ تھے جتنے اب ہیں۔ ہاں ٹھیک ہے، پہلی دنیا میں تو ایسا ممکن نہیں تھا۔ مگر آئندہ کی دنیا میں ہم یہ ثابت کر کے رہیں گے۔ ظلم کو امن کے لیبل میں پیش کر کے دیکھائیں گے۔ تمہارے اس شعری سوال کو باطل ثابت کر کے ہی دم لیں گے۔ آئے تھے بڑے انسانیت کے ہمدرد خود تو مذہب پر قائم نہ تھے۔ نشے میں چور ہو کر اُلٹا ہم سے پوچھتے تھے۔ اب سنو تم! رہو یا نہ رہو جو سوال تم نے ہم (قوم) سے کیا تھا، اب اس کا جواب تمہیں قبر میں بھی ملے گا۔ دیکھا واہگہ بارڈر کی پرچم کشائی کی تقریب پر ہمارے فدائی نے کی ہے نا اپنی جان فدا۔ کیا ہے نا، دشمن کو حیران و پریشان۔ کیا ہوا جو ساٹھ ستر اپنے ہی لوگ مارے گئے۔ کیا غم ہے جان کا، یہ تو ایک دن سب کی ہی جانی ہے، سو پہلے جائے یا بعد میں۔ پھر اگلے ہی دن ہمارے لوگ پرچم کی تقریب پر بے غم و فکر پہنچے ہوئے تھے، جیسے گزرے کل کو کچھ ہوا ہی نہیں (قوم کے جذبے کو دیکھ کر تمہاری روح تو تڑپتی ہوگی) سرحد کے اس پار دشمنوں کی طرف سے سارا اسٹیڈیم خالی پڑا تھا۔ شاید وہ ڈر گئے ہوں گے، یا ہمارے لوگوں کی اموات پر افسوس جتانے لگے ہوں۔ چلو جو بھی ہو، مگر ہمیں کوئی فکر اور غم نہیں۔ کیونکہ خودکش بھی تو اپنا ہی بھائی تھا۔ ہندوؤں کی گولی سے ہمیں ایک بندہ بھی مروانا منظور نہیں ہوا اور یہ کام ہم زور شور سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ تم کیا جانو جذبہ شہادت کیا چیز ہے۔ تم تو اپنی فکروں کی بیماریوں سے مرے ہو۔ اس کا ثواب تم کو کہاں ملنے والا ہے۔ اپنے عوام کو ہم نے یقین دلوا دیا ہے، کہ جنت کے ٹھیکدار بھی ہم ہی ہیں۔ اسی لئے ہم اپنے فدائی ادھر بھیج رہے ہیں۔ جنت میں اپنی ڈیوٹیاں سنبھالیں تا کہ کہیں تم جیسے لوگ جنت میں نہ جانے پائیں۔ دیکھو آج ہم نے ایک اور بڑا ثواب بھرا کام کیا ہے۔

کوٹ رادھا کشن کے ایک عیسائی جوڑے کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔ عورت پر الزام تھا کہ اس نے قرآن جلایا ہے۔ ہماری اجتماعی غیرت اور جذبہ ایمانی نے (بذریعہ لاؤڈ سپیکر) جوش مارا اور اس ناپاک جوڑے کو اینٹوں کے بھٹہ کی جہنمی آگ میں جلا کر خاک کر دیا۔ تمہارے لئے اچھا ہوا جو تم اکیس سال پہلے ہی مر گئے تھے۔ ورنہ نہ جانے تمہارے لیے ہماری غیرت کونسا رستہ اختیار کرتی۔ ہماری ساری قوم کو پتہ ہے ہم اتنے جاہل نہیں جتنا دنیا والے ہم کو سمجھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے قرآنی آیات کے صفحات جو ہماری اخبارات و رسائل میں چھپتے ہیں۔ آخر کار وہ ردی کے بھاؤ ہی بکتے ہیں۔ جو لفافوں کی صورت میں گنڈیری فروشوں، سموسوں، پکوڑوں اور دیگر پکوانوں کی دکانوں اور ریڑی والوں کے ہاتھوں سے ہو کر ہم تک پہنچتے ہیں۔ ہم اسے بے حرمتی نہیں سمجھتے کیونکہ ان لفافوں کے طفیل ہمیں رزق ملتا ہے۔ پھر ہم ان کو گلی کوچوں کی فضاؤں میں بڑی بے رحمی سے بکھیرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان قرآنی آیات والے آوارہ گرد اوراق کو جلا تا ہوا پایا جائے تا کہ پاک قرآنی الفاظ بے حرمتی سے بچ جائیں تو سمجھیں وہ شخص اپنی جان سے گیا۔ یا پھر کئی دنوں کے بعد خاکروب آتے ہیں جو سڑکوں سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کرتے ہیں۔ شہر سے باہر ایک مقررہ جگہ (روڑی) پر ان کو آگ لگا دی جاتی ہے۔ سڑکوں کی صفائی کا کام بھی ہم نے خود تو کرنا نہیں کیونکہ ہم تو پاک صاف ہیں۔ اس کام کے لئے ہم نے عیسائیوں کو لگایا ہوا ہے جب بھی مولوی کے سر پر خون سوار ہوتا ہے مسجد کا لاؤڈ سپیکر آن کر کے لوگوں کو اکٹھا کر کے اجتماعی طور پر کسی بے گناہ عیسائی کی گردن اُڑا دی جاتی ہے۔ جب سے ضیاء الحق نے ۲۹۵ سی کا قانون بنایا ہے۔ ہمارے مولویوں کی تو موجیں لگی ہوئی ہیں۔ بڑی آسانی سے ہم کسی اقلیت کو پکڑ

کر اس پر قرآن کی بے حرمتی کا الزام لگا کر اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ہم چاہیں تو تاج کمپنی والوں کو بھی بے حرمتی کے جرم میں لٹکا دیں، ہم ظالم تو ہو سکتے ہیں جاہل بالکل نہیں۔ جناب جالب صاحب آپ کو زندگی بھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انسانی خون کا چسکا بھی کیا چسکا ہے۔

اب تو سیریل قاتلوں سے بڑھ کر ہم اجتماعی طور پر مکمل آدم خور بننے میں تھوڑا فاصلہ رہ گیا ہے۔بعض علاقوں میں تو ہمارے بھائی بندوں نے یہ کام شروع بھی کر دیا ہے ان سے اچھی ذائقہ دار پوٹیں مل رہی ہیں۔ ہمارے بعض منچلے مجاہدین فارغ اوقات میں انسانی کھوپڑیوں سے فٹ بال بھی کھیلتے ہیں تا کہ روحانی کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت بھی برقرار رہے۔تمہاری شاعری اور سوچ میں ہمیں بہت تضاد نظر آتا تھا۔تم نے ساری زندگی قوم کو صرف مایوسی کے شعر سنائے تھے۔تم ہمیں یہ کہتے رہے کرائے کے قاتل نہ بنو!! اب تم ہی بتاؤ اگر یہ پیشہ اختیار نہ کرتے تو کیا کلاشنکوف ہمیں ملتی؟ ہمیں سٹنگر مزائل مفت میں ملتے؟ کیا ہمارے لاکھوں بچوں کو مفت مدرسے نصیب ہوتے؟ جہاں پر مفت میں جہاد کا سبق پڑھتے اور ڈالر بھی حاصل ہوتے۔کیا ہم قابل عزت مجاہدین کے خطاب سے بھی نوازے جاتے؟ نہیں کبھی نہیں۔تمہاری سوچ اور شاعری پر ہم چلتے تو کہیں کے نہ رہے ہوتے۔تمہاری طرح زمانے کا غم لے کر بھوکے ہی مرتے۔اب ہم اس قابل ہیں اور ہماری آئندہ کی فصلیں بھی تیار ہو چکی ہیں۔جو ساری دنیا کے المناک غم دے سکتی ہیں، یہ ہماری بھرپور کوششوں کا نتیجہ ہے، کہ آج ہم پولیو میں خود کفیل ہو گئے ہیں۔ یہ مرض اعلیٰ ایکسپورٹ کوالٹی تیار کر رہے ہیں۔ابھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایبولا وائرس کی کافی ڈیمانڈ ہے اس نے ساری دنیا میں دہشت پھیلا رکھی ہے۔بس ایک آدھ وائرس ملنے کی دیر ہے، اس کو بھی ہم اپنی گرفت میں لیں گے۔ پھر دیکھنا دنیا والے ہمارے قدموں میں کیسے گڑگڑا کر گرتے ہیں۔او، جالب اب تم ہی بتاؤ (خیر تم کیسے بنا سکتے ہو) جس قوم کے پاس کم از تین سپر ہٹ تباہ کن چیزیں آ جائیں تو اس قوم کو دنیا کی کیا پرواہ ہے اسے اور کیا چاہیئے۔جس کے پاس ایٹم بم پولیو تیسرا ہے جلد آنے والا (ایڈز کی کامیابی کے بعد) ایبولا وائرس۔مغربی تعلیم سے ہمارا کچھ نہیں ہونے والا سوائے غلامی کے۔ہم یہ نہیں کہہ رہے ساری قوم ساتھ ہے۔تمہارے جیسے سوچنے والے کافی لوگ ابھی باقی ہیں۔ جو ہمیں بہت چبھتے ہیں۔مگر ان میں اچھی بات یہ ہے کہ سب کے سب ڈرپوک۔تمہاری طرح کے اگر چند دلیروں سے ہمیں پالا پڑتا تو شاید ہماری دال اس ملک میں نہ گلتی۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے ہمیں واسطہ نواز شریف، زرداری، مولانا فضل اور ہمارے سیکولر عمران خان سے پڑا ہے۔ یہ سب انتہائی بزدل اور ڈرپوک لوگ ہیں۔ پہلے تین لیڈروں کا تو سب کو پتہ ہے۔مگر خان کے بارے میں ابھی لوگوں کو کافی غلط فہمی ہے۔ بظاہر اس نے ماڈرن اور بہادر شخص والا امیج بنایا ہوا ہے، مگر اس کے پیٹ میں لمبی داڑھی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً ہمارے کام آتی رہی ہے۔ایسے چہرے والے لیڈروں کی ہمیں تلاش رہتی ہے جو کہ اب ہماری سوسائٹی میں نایاب ہو چکے ہیں۔ ہمارے پیرومرشد بھٹو کا چہرہ بھی ہمیں بہت پسند تھا۔وہ تھا تو تمہارا ساتھی، مگر ہم نے ختم نبوت کے چکر میں قابو کر کے اس کے اندر بھی داڑھی اُگا دی تھی۔ دوسرا ہمارا پیرومرشد ضیاالحق تھا۔وہ تو شکل سے ہی نہیں حقیقتاً خطرناک تھا۔ ہمارے ان دونوں پیروں نے ہمیں جس کامیابی سے پستی کے سفر پر ڈالا ہے۔ہم نے بھی من حیث القوم عہد کر رکھا ہے، ان دونوں کا مشن جاری رکھیں گے۔ یہاں کی تمام اقلیتوں کو مار بھگائیں گے۔ابھی تو ہمارا کام شروع ہوا ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک یہاں سے اقلیتوں کا قلع قمع نہ کر دیں۔اس رہتی دنیا کے پستی اور جہالت کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیں گے۔ہم یہ ناکہ بندی بھی کریں گے تمہارے جیسے لوگ جو پہلے پیدا ہو چکے تھے، اب دوبارہ ہمارے ہاں پیدا ہونے کی ہمت نہ کر سکیں۔

جنت پکارتی ہے میں ہوں تیرے لیے
دنیا گلے پڑی ہے کہ جنت کرو مجھے

اطلاعاً عرض ہے، خط کی ایک کاپی (تمہارے) قائداعظم کو بھی ارسال کر رہے ہیں۔

دن میں کزن کزن

(اے حق۔لندن)

پاکستان کی تاریخ کے سب سے لمبے احتجاج (یعنی دھرنے) نے اپنی آدھی حیثیت یوں کھو دی کہ دو سیاسی کزن ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔کسی کے کہنے پر یا اپنی رضامندی سے یہ تو مستقبل کے انکشافات سے واضح ہوگا۔اس جدائی کے پس پردہ بے شمار کہانیاں ہیں جن تمام کا سچائی سے تعلق ہو نہ ہو کوئی ایک سچی ضرور ہے۔جس طرح طاہر القادری صاحب بیانات دے کر واپس لیتے تھے دھرنے کے مخالفین کے لئے اُن کا یہ عمل بھی اُسی طرح ہے۔قادری صاحب اور عمران خان کی اس سیاسی رشتہ داری نے پاکستان میں تاریخ تو رقم کر دی لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکے۔قادری صاحب نے اپنے ہی ہاتھوں اپنے سیاسی دور کا آغاز کیا اور پھر سیاسی خودکشی بھی کر لی۔

کہتے ہیں بینظیر بھٹو اس قدر منجھی ہوئی سیاستدان تھی کہ اُن کے قریب سے جو گزر جائے وہ سیاست سیکھ جاتا تھا۔زرداری صاحب تو ایک لمبا عرصہ بی بی کے ساتھ رہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں اگر کوئی منجھا ہوا سیاستدان موجود ہے تو وہ آصف علی زرداری ہی ہے۔بڑے میاں صاحب نے زرداری صاحب کی صحبت میں رہ کر یہ تو سیکھ ہی لیا کہ کان ٹوٹے مطالبات سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے۔تحریک انصاف

اورعوامی تحریک کے دھرنوں نے آغاز میں عوام پراورملکی ساکھ پرجس طرح دباؤ ڈالہ اُس سے یوں لگتا تھا جیسے یہ دونوں پارٹیاں پاکستان کی پہلی بلا مقابلہ نمبرون پارٹیاں قرار پا جائیں گی۔لیکن اب اُس کے بالکل برعکس دونوں پارٹیاں موقعے کی تلاش میں ہیں کہ گلے میں پڑے ہوئے اس دھرنے نما پھندے سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

یوں تو قادری صاحب کو پہلے بھی موقعے ملے جب وہ دھرنے سے چھٹکارا حاصل کر سکتے تھے،لیکن نجانے اُنہیں کس عقل مند نے اس موقع پر مشورہ دیا کہ اب دھرنے سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔اگر جائزہ لیا جائے تو طاہرالقادری صاحب کو باعزت طور پر دھرنہ ختم کرنے کے کئی موقے ملے،جن میں سے ایک موقع وہ تھا جب ملک میں سیلاب نے تباہی مچائی اور ہزاروں افراد بے گھر ہوکر امدادی کیمپوں میں آن بیٹھے۔یہ وہ وقت تھا جب دونوں سیاسی کزنز اپنی سیاسی سٹرٹیجی کا جائزہ لے کر اپنا لائحہ عمل تیار کر لیتے اوران دھرنوں کو سمیٹ کر اپنے ورکرز اور ذرائع کو سیلاب متاثرین کی مدد کے لئے استعمال کرتے تو ان کی نیک نامی میں کئی گنا اضافہ ہوتا اور وہ اپنے دعوں سے سچے ثابت بھی ہوتے۔سیانے کہتے ہیں ایک ایک ہوتا ہے اور دو گیارہ برابر ہوتے ہیں۔جس طرح عمران خان میدان میں اکیلے ہو گئے ہیں بعید نہیں کہ خان صاحب دھرنے کو ختم کرنے کا موقع تلاش کر رہے ہوں۔لیکن یہ بات طے ہے کہ اگر عمران خان دھرنہ چھوڑ کر جاتے ہیں تو جس قبر میں کومیاں برادرز کو دھکیلنے کی کوشش میں تھے خود اُس میں گر جائیں گے۔دوسری طرف میاں برادرز،عمران اور قادری صاحب کے حصے کی عوامی پسندیدگی حاصل کرلیں گے اور پاکستان کی سیاسی پارٹیوں میں بھی اول نمبر مسلم لیگ ن ہی رہ جائے گی۔جس طرح دن کی روشنی میں عمران اور قادری صاحب کزن کزن کھیل رہے تھے اُنہیں چاہئے تھا کہ رات کے اندھروں میں ہونے والے اہم فیصلوں کے معاملے میں بھی اکٹھے کزن بن کر فیصلے کرتے۔

(مرسلہ:زکریا ورک کینیڈا)

سوئٹزرلینڈ میں جوتوں کی تاریخ کی نمائش

(زکریا ورک۔کینیڈا)

سوئٹزرلینڈ کے شہر بازل کے میوزیم Spielzug welten میں ان دنوں جوتوں کی نمائش جاری ہے جس میں جوتوں کی تین ہزار سالہ تاریخ کو بیان کیا جارہا ہے۔اس نمائش میں مردوں،عورتوں، بچوں کے 200 پرانے جوتے نمائش کیلئے رکھے گئے ہیں۔نمائش کا نام ہسٹری انڈر یور فیٹ ہے۔انسانی تاریخ میں جوتوں نے نہ صرف انسانوں کے پاؤں کے تلووں کو محفوظ رکھا ہے بلکہ یہ جوتوں سے انسان کے سوشل مقام کا پتہ بھی لگایا جاتا تھا۔یا یہ کہ خاص قسم کے جوتے پہنے والا کس سوشل گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔اس نمائش میں سب سے پرانا جوتے کا تعلق مصر کے ملک سے جو ایک ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔ابتدائے آفرینش سے عورتوں کا تعلق چیزوں کے جمع کرنے سے رہا ہے جبکہ مردوں کا تعلق شکار سے رہا ہے۔نمائش کے ارباب اختیار کا کہنا ہے کہ شاید یہ وجہ ہے کہ عورتوں اور مردوں میں یہ اختلاف رہا ہے کہ کسی کے پاس کتنے جوتے ہونے چاہئیں۔یورپ میں کئے جانے والے ایک سروے کے مطابق ہر پانچ میں سے ایک عورت کے پاس 20 جوتے ہوتے ہیں۔جبکہ مردوں میں یہ تناسب ہر بیس میں سے ایک کے پاس اتنے جوتے ہوتے ہیں۔ہمارے پاؤں کو محفوظ رکھنے کے علاوہ جوتوں کا ایک اہم کام یہ ہوتا ہے کہ پہننے والے کا کیا مقام ہے یا پھر اس کا کسی گروپ یا خاص جماعت سے تعلق ہے۔مثلاً قدیم مصر میں صرف فرعونوں کو چاندی یا سونے کی پلیٹنگ والے سینڈلز پہننے کی اجازت ہوتی تھی۔جبکہ عوام الناس ننگے پاؤں گھومتے پھرتے تھے۔قدیم یونان میں 700 قبل مسیح کے لگ بھگ ایک قانون جاری کیا گیا کہ سینڈلز پر کون ہیرے جواہر لگوا سکتا ہے۔رومن ایمپائر میں ایسے واضح ہدایات موجود تھیں کہ کون کس قسم کے جوتے پہن سکتا اوران کو کس طرح ڈیکوریٹ کیا جاسکتا ہے۔عہد وسطیٰ میں لمبی چونچ والے جوتے کی نوک (ٹپ) کے سائز یہ پتہ لگایا جاتا تھا کہ پہننے والے کی سوشل سٹینڈنگ کیا ہے۔فرانس کے بادشاہ لوئیس سولہ XIV کے دور حیات 1643-1715 میں صرف بادشاہ اور اشرافیہ سرخ ایڑی والے جوتے پہن سکتے تھے۔جہاں جوتوں کی اقسام سے انسان کے رتبہ اور دولت کا پتہ چلتا تھا وہاں ارادی طور پر جوتے اتارنے کو بھی خاص مقام حاصل تھا۔اس سے انسان کی عاجزی،ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہوتا ہے۔متعدد تہذیبوں میں یہ عام رواج تھا کہ جب لوگ دیوتاؤں کے سامنے حاضر ہوتے تو جوتوں کے بغیر ہوتے تھے۔دنیا میں سب سے زیادہ تعداد میں تاریخی جوتے برطانیہ کے نارتھمپٹن میوزیم اینڈ گلری Art Gallery North Hampton Meuseum میں ہیں۔ٹورنٹو کے باٹا میوزیم میں یورپ میں انیسویں صدی میں پہننے والے عورتوں کے جوتے رکھے ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ دنیا کے مشہور کھلاڑیوں، ایکٹرز،سنگرز،اداکاروں، کے جوتے نمائش کیلئے موجود ہیں۔اسی طرح امریکہ کے اصل باشندوں یعنی ریڈ انڈینز کے مختلف قبائل ہیوران، چیروکی، اپاچی اور لاکوٹا،سولہویں،سترھویں اور اٹھارویں میں جو دیدہ زیب جوتے پہنتے تھے موجود ہیں۔

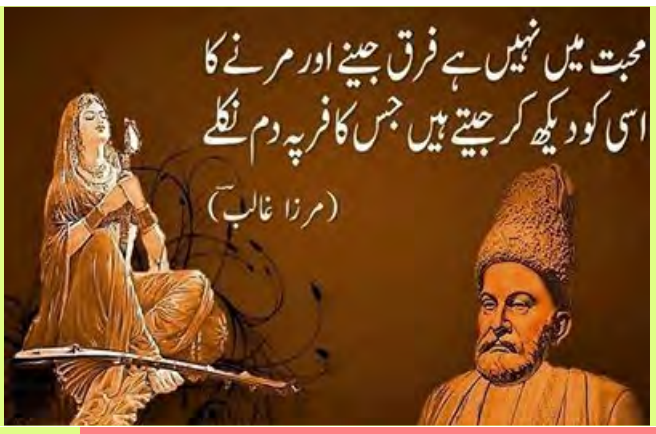

خواجہ عبدالمومن ناروے....غزل

دیکھے ہیں حسیں میں نے زمانے میں ہزاروں
پر حسن ترا سارے حسینوں سے سوا ہے
کیا نور ہے جو تجھ سے ملا ماہِ مبیں سے
کیا رنگ ہے جو سارے زمانے سے جدا ہے
لب کھلتے ہی پھولوں کی مہک آتی ہے تجھ سے
ہر دل پہ ترے نطق کا جادو سا چلا ہے
سوتا ہوں تو خوابوں میں نظر آتا ہے مجھ کو
حیراں ہوں تو خانہ ویراں میں بسا ہے
کچھ روشنی جو مجھ میں سدا رہتی ہے روشن
یہ تیرا کرم ،تیری محبت کی ضیاء ہے

مبارک صدیقی....ماں

جلتی دھوپ میں چھاؤں جیسے ہوتے ہیں
ماں کے بول دعاؤں جیسے ہوتے ہیں
رب کے نام سُنے تو پھر معلوم ہوا
رب کے رُوپ بھی ماؤں جیسے ہوتے ہیں
دنیا زخم لگائے چاہے جیسا بھی
ماں کے ہاتھ دواؤں جیسے ہوتے ہیں
سنبل ، یاس، گلاب،چنبیلی اور کنول
میری ماں کے پاؤں جیسے ہوتے ہیں
ماں سے پوچھے کوئی صدمے ہجرت کے
دُکھ جس کے دریاؤں جیسے ہوتے ہیں
اُن ماؤں کے بچے دیکھو میرے دوست
جیسے پھول خزاؤں جیسے ہوتے ہیں
مل جاتے ہیں لوگ مبارک جیسے بھی
شہر میں بھی جو گاؤں جیسے ہوتے ہیں

﴿داغ دہلوی﴾

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لیے پھرتے ہیں

انوکھی باتیں

(زکریا ورک۔کینیڈا)

☆ آپ کے شوز وہ پہلی چیز ہوتے ہیں جو لوگ غیر ارادی طور پر دیکھتے ہیں اسلئے عمدہ اور اچھے جوتے پہنیں۔

☆ اگر آپ دن میں گیارہ گھنٹے بیٹھے رہیں تو پچاس فی صد چانس ہے کہ آپ اگلے تین سال میں داغ مفارقت دے جائیں گے۔

☆ دنیا میں چھ فی صد لوگ ایسے ہیں جو آپ سے مشابہ ہیں، نو فی صد چانس ہے کہ آپ ان میں ایک کو زندگی میں ملیں گے۔

☆ بغیر تکیے کے سونے سے کمر درد کم ہو جاتی اور آپ کی ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط رکھتی ہے۔

☆ انسان کے قد کا فیصلہ اس کے باپ سے ہوتا، اور وزن ماں سے۔

☆ تین چیزیں انسانی دماغ دیکھنے سے نہیں رہ سکتا: فوڈ، خطرہ اور خوبصورت شخص۔

☆ دائیں ہاتھ والے لوگ منہ کے دائیں طرف غذا کو چباتے ہیں۔

☆ بدبودار جوتوں میں چائے کی پتی Tea Bags رکھنے سے بدبو دور ہو جاتی ہے۔

☆ آئین سٹائین کے بقول اگر کرہ ارض سے شہد کی مکھیاں ختم ہو جائیں تو نسل انسانی چار سال میں عدم ہو جائیگی۔

☆ دنیا میں سیب کی اتنی لاتعداد قسمیں پائی جاتی ہیں کہ اگر آپ ہر روز ایک قسم کھائیں تو تمام اقسام کھانے میں بیس سال لگیں گے۔

☆ غذا کے بغیر انسان کئی ہفتے زندہ رہ سکتا ہے مگر نیند کے بغیر گیارہ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

☆ جو لوگ زیادہ مسکراتے اور ہنستے ہیں وہ دوسروں کی نسبت زیادہ عمر پاتے ہیں۔☆ ہمارا دماغ دس واٹ کے بلب کے برابر بجلی خرچ کرتا ہے۔

☆ ہمارے معدے کا تیزاب اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس میں ریزر بلیڈ گھل سکتے ہیں۔

☆ گرین ٹی کا زیادہ استعمال کریں، پانی پئیں، بلیو بیریز، براکلی اور بادام زیادہ کھائیں۔

☆ ناشتہ بادشاہ کی طرح کریں، دوپہر کا کھانا شہزادے اور رات کا کھانا طالبعلم کی طرح جس کا کریڈٹ کارڈ استعمال ہو چکا ہو۔

☆ اپنی زندگی کا مقابلہ دوسروں کی طرح مت کرو کیونکہ تمہیں علم نہیں کہ وہ کس حالت میں ہیں۔

☆ لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں، اس کی پرواہ مت کرو۔

☆ ہر رات سونے سے قبل خدا کا شکر ادا کرو اس بات پر جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ Remember you are too blessed to be stressed

☆ آپ کی علالت میں آپ کا جاب آپ کا خیال نہیں رکھے گا بلکہ آپ کے اعزہ اور دوست احباب، اسلئے ان سے تعلق رکھو۔

منور احمد کنڈے..شاعرِ درویش

(از:اسحاق ساجدؔ جرمنی)

محکوم ومظلوم افراد کے لئے دلی ہمدردی سے لبریز منورؔ کی نظموں میں محبت کے موضوع پر کچھ انوکھے لیکن حیرت انگیز طور پر سادہ جذبات کا اظہار ملتا ہے۔

ہر انسان کے دو محبوب ہوتے ہیں۔ایک وہ جو اس کے تخیل کی ہی حسین پیداوار ہوتا ہے، دوسرا وہ جو حقیقتاً معدوم ہوتا ہے مگر اس امکان کے ساتھ کہ شائد وہ کبھی سامنے بھی آ جائے! لیکن منورؔ کے یہاں نہ مثالی محبوب کا انتظار ہے نہ تخلیقی محبوب کی پرچھائیوں کی جستجو..! منورؔ کا محبوب تو روح کے اندر کارزارِ زندگی میں اس قدر منہمک ہے جس قدر کہ خود شاعر! ایمان اور شاعری دونوں دل کی گہرائیوں میں جنم لیتے اور وہیں قیام کرتے ہیں۔پھر ان کی تاثیریں زیست کی میلی اوڑھنی کو چاندی کے پھولوں سے سجا دیتی ہیں، بالکل اسی طرح منورؔ کے فن کے ایک پہلو کو ان کی نظم نے سجا رکھا ہے۔ان کی نظموں کے مضامین میں معانی خیز درویشی ان کی شخصیت کا ایک اہم جز ہے۔روانی اور سلاست اس قدر کہ لندن میں صفِ اول کے ادیب اور مہان قلمکار جناب امجد مرزا امجدؔ نے کثیر الاشاعت ادبی جریدوں میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں منورؔ احمد کنڈے کو یورپ میں دورِ حاضر کا ''شہنشاہِ نظم'' قرار دیا تو لندن کے بیسیوں سخنور بے قرار ہو کر رہ گئے مگر اس کثرت سے بامعنی، معاشرتی، دینی، ملکی حالاتِ حاضرہ اور اخلاقیاتی موضوعات پر اس گہرائی اور سرعت سے پابند نظم لکھنے والا ایک بھی شاعر منظرِ عام پر نہ لا سکے۔مگر منورؔ کو میں نے ایک اور طرح سے بھی پہچانا ہے۔بزرگ کہتے ہیں کہ بڑے کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ آپ اس کی محفل میں خود کو چھوٹا محسوس نہیں کرتے۔پہچان کی اس کسوٹی پر بھی منورؔ سو فی صد پورا اترتے ہیں۔مجھے فخر ہے کہ میں منورؔ احمد کنڈے کا ہم عصر ہوں۔ میں ان کی نظموں کے پہلے مجموعہ ''حرفِ منور'' کی اشاعت پر انہیں دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ منورؔ کے زورِ قلم میں مزید اضافہ کرے! آمین۔

(اسحاق ساجدؔ، مدیر ''سمندر انٹرنیشنل'' جرمنی۔ ۱۴ اگست ۲۰۰۹ء)

عاقبت نا اندیش

سود در سود دے کے روؤ گے
یہ مصیبت نظر نہیں آتی
قرض پر قرض لے کر ہنستے ہو
''شرم تم کو مگر نہیں آتی''

(انور مسعود)

داؤد احمد ساجدؔ.. ایک مخلص اور فعال سخنور

(از:اسحاق ساجدؔ جرمنی)

حقیقت یہ کہ اردو زبان صرف لیل ونہار، لب ورخسار یا زلفِ یار اور فرضی محبوب کی وفاؤں اور جفاؤں کا نام نہیں بلکہ اس کے وسیلے سے ہم تاریخ، سماجیات، اقتصادیات، روحانیات اور قومی وملی تعمیر وترقی کے اہم گوشوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں، اور داؤد ساجدؔ صاحب اس حقیقت سے واقف نظر آتے ہیں لیکن پھر بھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے کہیں کہیں وہ ان کا ذکر اپنے اشعار میں کرتے بھی نظر آتے ہیں۔

داود ساجدؔ صاحب کی غزلوں میں ایک دھیمی آنچ کی سی کیفیت ہے۔یہ شعلہ کہیں بھڑک بھی اٹھتا ہے۔''سرراہ چلتے چلتے'' میں داؤد ساجدؔ صاحب نے اپنی شاعری کے ابتدائی ایام سے سماجی مسائل کو محسوس کرنا شروع کر دیا تھا جیسے کہ ان کے اشعار سے ظاہر ہے۔ساجد صاحب کی اکثر غزلیں فکر واحساس سے عبارت نظر آتی ہیں آپ کی شاعری اور شخصیت میں بڑی ہم آہنگی موجود ہے۔آپ کے اشعار میں سماجی سیاسی مذہبی اور انسانی جور وجبر ظلم وزیادتی اور ناچاری وبے انصافی کی جانب طنز موجود ہونے کے ساتھ ساتھ تازگی بھی ہے، وارفتگی بھی، اور جوشِ سخن بھی..!! کہیں کہیں عشق بھی ہے اور عزم کی شدت بھی۔سخنوری کا سفر اگر اسی طرح جاری رہا تو مجھے یقین ہے کہ آپ کی شاعری مزید نکھر کر منزلِ مقصود کو پا کر رہے گی، انشاءاللہ۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

(اسحاق ساجدؔ: مدیر ''سہ ماہی سمندر انٹرنیشنل'' جرمنی جولائی ۲۰۱۲ء)

جابر بن حیان.... بابائے کیمسٹری

(بلال افتخار۔لندن)

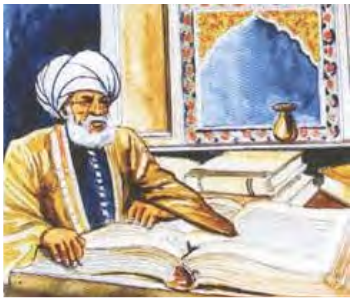

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۵۰۰ سو سال پہلے علم کی اہمیت اور فرض کا بار بار ذکر کیا تھا جس پر عمل کرتے ہوئے سینکڑوں مسلمان سائنسدانوں نے دنیا میں نئے علوم متعارف کروائے جن پر اب بھی عمل کیا جا رہا ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ، فرشتے پہاڑ پر چیونٹیاں اور پانی میں مچھلی بھی اس شخص پر رحمتیں بھیجتے ہیں جو دوسروں کو مفید علم سکھاتا ہے۔''

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''علم حاصل کرو اور لوگوں تک پہنچاؤ۔''

ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے ابو موسیٰ جابر بن حیان نے دنیا کو کیمسٹری

متعارف کروائی اور بہت سے تیزاب بنانے کے طریقے دیئے (کلورک ایسڈ، نائٹرٹ ایسڈ، سلفورک ایسڈ) آپ 721 کوتس ایران میں پیدا ہوئے اور 815 کوکوفر عراق میں وفات پائی۔ آپ کیمسٹری، علم بہت جاننے والے (Astronams) کمپاگر (Alcheirst)، انجینئر، فلاسفر، فزسٹ (Phyhicist)، فارماسسٹ، جغرافیہ دان، علم نجوم اور سیاح کے ماہر تھے۔ وہ یورپ میں Gaber کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے والد حیان الاضر قبیلے سے تعلق رکھتے جن کو خلیفہ نے جابر بن حیان کی پیدائش کے بعد پھانسی دے دی۔ آپ کے اُستاد جعفر ابن محمد تھے۔ آپ نے ترآہ پاٹ حساب اور دوسرے مضامین حربی الجمادی سے سیکھے۔ آپ نے طب کی پریکٹس ہارون الرشید کے وزیر کی رہنمائی میں شروع کی۔

جابر نے تین ہزار مضامین لکھے ہیں اور دوسو کے قریب کتابیں بھی لکھیں۔ وہ علامہ اقبالؒ کے شاہین تھے۔ توازن کا اصول (میزان)۔ ۲۔ گرم ٹھنڈے نمی اور خشکی کی صفات۔ 3۔ ستارے انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں جن کو دعا سے انسان کے قابو لایا جا سکتا ہے۔ ۴۔ سونے کو دوسری دھاتوں سے الگ کرنا۔ ۵۔ مرکری کی صفات (صما کتاب) ۶۔ نمکیات کو پانی میں حل ہونے والی قسم۔ ۷۔ الکلی (Alkali) کا نام تعارف کروایا۔ ۸۔ نائٹرٹ ایسڈ، سلفورک ایسڈ، کلورک ایسڈ کی تیاری۔ ۹۔ قلم پذیری (.....) ۱۰۔ ایلومینیم، سلور نائٹریٹ اور دوسرے کیمائی مادوں کو قلم پذیری سے علیحدہ کرنے کا اصول متعارف کروایا۔ ۱۱۔ آرمینک ایسڈ کی تیاری۔ ۱۲۔ چینی، نمک، پوٹاشیم نائٹریٹ کی تیاری۔ ۱۳۔ گلاس کی تیاری، مینگا نیز ڈائی آکسائیڈ (Mn-2) کو گلاس کی تیاری میں متعارف کروایا جواب بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ۱۴۔ لیبارٹری آلات: ان کو استعمال کر کے فلٹریشن، ڈسٹلیشن (Distitlation) باتھ اور آگ کی بھٹی کی تیاری میں مدد لی جاتی ہے۔ ۱۵۔ تکمیل کی تفتیش۔ ۱۶۔ تکمیل کا مجموعہ۔ ۱۷۔ الرازی نے ان کے طریقے سے Ethanal بنائی۔ ۱۸۔ آپ نے کتاب زہرہ (وینس) خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں لکھی۔ ۱۹۔ کاسٹک سوڈا کی تیاری۔ ۲۰۔ بلاشبہ جابر کیمسٹری کے بابائے ہیں جنہوں نے کیمسٹری کو توہم پسندی سے نجات دلا کر بہت کچھ دیا۔ اس کے علاوہ طف، فلسفہ، فارسی اور مذہب کی اہمیت کو بھی روشن کیا۔ یاد رکھو مسلمان سائنسدانوں کا علم آپ کی وراثت ہے جب بھی انٹرنیٹ پر بیٹھیں تو 15 منٹ کم از کم ان کے متعلق پڑھیں جابر اخلاق کے ماہر بھی تھے۔ ''جب تک ایک لفظ نہیں بولتے، تم ماسٹر ہو اور جب لفظ بولا تو اس کے غلام ہو۔'' جابر نے عقل کے پانچ اصول بیان کئے ہیں:

پہلا قدم خاموشی، دوسرا توجہ سے سننا، تیسرا یاد رکھنا، چوتھا اس پر عمل اور پانچواں قدم دوسروں کو سکھانا ہے۔''

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

محمد علی مضطرؔ....غزل

جاں بکف اشک بجام آئے گی
نالہ کرتی ہوئی شام آئے گی
در بدر روتی پھرے گی خلقت
کوئی تدبیر نہ کام آئے گی
شور رُک جائے گا آوازوں کا
اک صدا بر سرِ عام آئے گی
سائے چھپ جائیں گے دیواروں میں
منزل ماہِ تمام آئے گی
داغ در داغ جلیں گے سینے
یاد یاروں کی مدام آئے گی
عمر بھر دل کے گلی کوچوں سے
اک صدا نام بنام آئے گی
قیس کو ڈھونڈنے شہروں گلیوں
لیلیٰ دشت مقام آئے گی
پھر سرِ دار ہنسے گا منصور
زندگی پھر کسی کام آئے گی
پھر وہی جشن شہیداں ہوگا
زندگی بہرِ سلام آئے گی
دن چڑھے نکلیں گے راہی گھر سے
دل کے چوراہے میں شام آئے گی
شب گزر جائے گی آخر مضطرؔ
صبح آہستہ خرام آئے گی

خلیفہ کا خوف

حضرت عمر فاروقؓ کی بیوی (عاتکہ) کہتی ہیں کہ: عمرؓ بستر پر سونے کیلئے لیٹتے تھے تو نیند ہی اُڑ جاتی تھی، بیٹھ کر رونا شروع کر دیتے تھے۔ میں پوچھتی تھی: اے امیر المومنین، کیا ہوا؟

وہ کہتے تھے: مجھے محمدؐ کی اُمت کی خلافت ملی ہوئی ہے، اور ان میں مسکین بھی ہیں ضعیف بھی ہیں یتیم بھی ہیں اور مظلوم بھی، مجھے ڈر لگتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ سے ان سب کے بارے میں سوال کریں گے۔ مجھے جو کوتاہی ہوئی تو میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو کیا جواب دوں گا۔''

سیدنا عمرؓ کہتے تھے: اللہ کی قسم، اگر دجلہ کے دور دراز علاقے میں بھی کسی خچر کو راہ چلتے ٹھوکر لگ گئی تو مجھے ڈر لگتا ہے کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہ کر دیں اے عمر، تو نے وہ راستہ ٹھیک کیوں نہیں کرایا تھا؟■

کتاب پر تبصرہ

مصنفہ	:	ڈاکٹر رضیہ اسماعیل
کتاب کا نام	:	خوشبو، گلاب، کانٹے
تبصرہ نگار	:	محمد شریف بقا.....لندن
پبلشر	:	بک ہوم، بک سٹریٹ ۴۶ مزنگ روڈ لاہور
قیمت	:	۱۲ پاؤنڈ
تعداد صفحات	:	۶۷۲
رابطہ کے لئے	:	0750 646 659

مندرجہ بالا کتاب کی مصنفہ محترمہ ڈاکٹر رضیہ اسماعیل ایک معروف شاعرہ، بلند پایہ نثر نگار اور ہر دل عزیز سوشل ورکر ہیں۔ اگرچہ برمنگھم میں مقیم ہیں تاہم ان کی روز افزوں شہرت برمنگھم تک محدود نہیں رہی۔ وہ گزشتہ سترہ سالوں سے اپنی ادبی اور ثقافتی تنظیم ''آگہی'' کے زیرِ اہتمام متعدد تقریبات منعقد کر کے علم و ادب خصوصاً ایشیائی خواتین کے گوناگوں سماجی امور اور فلاحی کاموں کے ضمن میں قابلِ قدر خدمات سر انجام دے رہی ہیں۔ ان سماجی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ادبی سرگرمیوں میں بھی مصروف رہتی ہیں۔ ان کا دائرۂ کار زیادہ تر عورتوں کے عصری مسائل کے حل اور ان کے لئے مفید فلاحی منصوبوں سے منسلک ہے۔ انھوں نے ایم اے انگلش بھی کیا ہے اور سوشل ورک میں پی ایچ ڈی بھی حاصل کی ہوئی ہے۔ انھیں جنون کی حد تک فلاحی کاموں سے دلچسپی ہے۔ انھوں نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں بڑے فخر سے کہا تھا:

''میرے خیال میں اللہ کی عبادت کے بعد خدمتِ خلق بڑی عبادت ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ ''خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاس۔ ''یعنی بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔''

انسانوں کی بھلائی کے لئے زیادہ سے زیادہ انسانیت ساز اور انسانیت نواز کام کرنا یقیناً بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل اپنی مصروف ترین زندگی یعنی سماجی سرگرمیوں کے باوجود اب تک پندرہ کتابیں تحریر کر چکی ہیں۔ چھ کتب شاعری سے متعلق ہیں اور بقیہ نو کتب ان کی نثری نگارشات پر مبنی ہیں۔ اس طرح وہ دن رات گلشنِ علم و ادب کی آب یاری کرنے کا عزم بالجزم کیے ہوئے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ان کی زیرِ تبصرہ کتاب ظاہری اور باطنی محاسن کی آئینہ دار ہے۔ کتابت اور طباعت بے حد دل کش اور دیدہ زیب ہے۔ اس مجلد کتاب کا سرورق مجرد آرٹ کا حسین نمونہ پیش کر رہا ہے۔

انھوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے بڑا عام فہم انداز اختیار کیا ہے۔ یہ کتاب بہت سی غزلوں، نظموں، دوہوں اور ماہیوں کا مجموعہ ہے۔ جدتِ خیال کے ساتھ ساتھ انھوں نے جدید اسلوبِ بیان اور آزاد شاعری کو بھی خاص اہمیت دی ہے۔ ان کی جدت پسندی شعر و ادب کی قدیم اعلیٰ روایت سے مربوط نظر آتی ہے۔ ان کی اس کتاب کے اہم ترین موضوعات اہم سماجی امور، عورت کی مظلومیت، جفاکشی، وطن دوستی، انسانی فلاح و بہبود، صدائے احتجاج اور تغیرِ حیات ہیں۔ شاعرانہ تعلّی کا کہیں بھی سراغ نہیں ملتا۔ انھوں نے اس کتاب کے شروع میں جو انتساب لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو:

''ربِ جلیل کے نام، جس نے انسان کو بہترین صورت میں تخلیق کر کے قلم اور تخیّل کی نعمت سے نوازا۔''

کتاب کے آخری حصے میں دو ابواب امتیازی شان رکھتے ہیں۔ پہلے باب ''اہلِ نظر کے تاثرات'' میں ستائیس مشہور و معروف شعرائے کرام اور ادبائے عظام کے خراجِ عقیدت پر مبنی تاثرات شامل ہیں۔ یہ تاثرات دراصل ڈاکٹر رضیہ اسماعیل کی شخصیت اور ان کی علمی و ادبی خدمات کی تحسین و آفرین کے حامل ہیں۔ محترم اقبال راہی نے اپنی نظم ''ہدیۂ سپاس'' میں ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ دوسرا باب ڈاکٹر رضیہ اسماعیل کے سوانح حیات، تعلیمی اعزازات اور ان کی تصانیف و تالیفات کے ذکرِ حسین کا عکّاس ہے۔ اب آخر میں ان کی اس کتاب ''خوشبو، گلاب، کانٹے'' سے انتخاب شدہ چند اشعار قارئین کرام کے ذوق کی تسکین کے لئے پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ گویا 'مُشتے نمونہ از خروارے' کا مصداق ہیں۔ حمدیہ شعر ملاحظہ ہو:

کوئی حدیں ہی نہیں ہیں تری حکومت کی
جدھر نگاہ اٹھاؤں، تری حضوری ہے

حضور کی بارگاہ میں یوں گویا ہوتی ہیں:

من کی آنکھوں سے دیکھتی ہوں تجھے
کاش میں آنکھ آنکھ ہو جاؤں

غزل سرائی کا انداز دیکھیے:

گلابوں کو تم اپنے پاس رکھو
مجھے کانٹوں پہ چلنا آ گیا ہے

ہے جال اندھیروں کا، جاؤں تو کدھر جاؤں
رستے میں ترے گھر کے اک دیپ جلا ہوتا

غم گھر کی منڈیروں پر آرام سے بیٹھا ہے
جانے کہ ابھی اُس کے آثار نہیں ملتے

نالے مرے جا پہنچے ہیں اب عرشِ بریں پر
میں اپنی دعاؤں کا اثر دیکھ رہی ہوں

انوکھا کام کرنا چاہتی ہوں
زمانے کو بدلنا چاہتی ہوں

ذرا سی بات پر روٹھ کر چلا بھی گیا
اب اک عمر لگے گی اسے منانے میں

ہم خاکی صورت لوگ جہاں میں
کیا کیا ڈھونگ رچاتے ہیں
سب ڈھونگ یہیں رہ جاتے ہیں
ہم مٹی میں مل جاتے ہیں

بیٹی کی پیدائش پر جو لوگ ناراض اور غم زدہ ہوتے ہیں وہ اس رحمتِ خداوندی کو بھول جاتے ہیں۔ڈاکٹر رضیہ اسماعیل نے اپنی کئی نظموں میں اس اندازِ فکر کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔بقیہ فکر انگیز موضوعات کو جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

☆☆(۶/اکتوبر ۲۰۱۴ء)☆☆

چھ گولیاں اور کئی چہرے

(سفیر احمد)

مارنے والے نے دل کھول کر مارا، پھر بچانے والے نے بھی کمال انوکھے معجزے سے بچایا۔انسان کا اگر جانے کا وقت ہو تو ایک جنبش ہی کافی ہوتی ہے۔اگر بچانا مقصود ہو تو چھ چھ گولیاں بھی کم پڑ جاتی ہیں۔مگر مزے کی بات یہ ہے۔انسان اپنے رب سے معجزے کی فرمائش اور خواہش ضرور رکھتا ہے۔ہر انسان کی زندگی میں خدا یہ مواقع بھی فراہم کرتا رہتا ہے۔گاہے بگاہے وہ معجزات ساری دنیا کو دیکھا تا بھی ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ خاک کا پتلا ان معجزوں سے سیکھتا کچھ نہیں۔اس میں اور زیادہ اکڑ آجاتی ہے، اپنے آپ کو برگزیدہ لوگوں کی صف میں سمجھنے لگتا ہے۔اس کا بچ جانا بھی اپنے نام نہاد کرموں اصولوں اور کارناموں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔

انسان نے آج تک جو کچھ بھی سیکھا ہے وہ رحم اور فضل کے بدلے نہیں بلکہ ڈنڈے اور ڈر کی وجہ سے سیکھا ہے۔رحم اور فضل کا انسان ہمیشہ سے ہی ناجائز فائدہ اُٹھاتا آیا ہے۔ڈنڈے اور ڈر، نے ہی انسان کو سیدھا رکھا ہے۔(میرا مطلب ڈنڈا قانون، ڈر انصاف ہے) جس معاشرے میں ڈنڈا اور ڈر اُٹھ جائے وہاں پر غدر شروع ہو جاتا ہے۔وہاں پر زندگی کی بے توقیری ہوتی ہے۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے دریغ خون بہا دیا جاتا ہے۔زندگی کتنی بڑی انمول چیز ہے، اس کا اُس معاشرے میں احساس ہی مر جاتا ہے۔اپنے آپ پر یقین ختم ہو جاتا ہے۔انسان ہر وقت کسی کو اُٹھتے بیٹھتے آتے جاتے یہی کہتا سنائی دیتا ہے۔اچھا زندگی رہی تو ملیں گے، زندگی رہی تو یہ کریں گے وہ کریں گے۔یعنی کہ بے اعتباری بھی انتہاؤں کو چھوتی نظر آتی ہے۔یہ بات تو روزِ اول سے ہی طے ہے۔اس جہاں کی ہر شے فانی ہے۔ہر ایک کو آخر کار ختم ہونا ہے، کیا جاندار اور کیا بے جان۔کسی اللہ لوک بندے سے عام آدمی نے پوچھا۔اس دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت کیا ہے۔اس اللہ لوک شخص نے بے دھڑک کہہ دیا موت، سننے والا سوالی سٹپٹا کر رہ گیا۔اس نے کہا بزرگو آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا موت بھی کبھی خوبصورت ہو سکتی ہے؟ اس درویش نے کہا او، مورکھ۔زندگی کو موت ہی خوبصورت بناتی ہے۔اگر ہر کسی نے اس دنیا میں آنا ہی آنا ہو اور جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہو تو سوچو۔وہ زندگی کتنی بدصورتی میں بدل جائے گی۔زندگی عذاب بن جائے گی، جہاں پر ہر کسی شے کی عمریں لاکھوں سال سے تجاوز ہو گی۔(ایک بڑا مشہور کڑوا ڈچ محاورہ ہے۔بیان نہ کرنا بھی شائد زیادتی ہو گی، وہ کچھ یوں ہے۔ایک کی موت دوسرے کی بریڈ (روزی) ہوتی ہے) اس دنیا کی خوبصورتی بھی یہی ہے۔یہاں ایک آتا ہے، دوسرا نہ چاہتے ہوئے بھی چلا جاتا ہے۔جانے والا اچھا ہو یا برا اس کی یادیں بہر حال رہتی ہیں۔زندگی کے سلسلے کو صرف موت ہی خوبصورت بناتی ہے۔لہٰذا موت ایک اٹل حقیقت ہے۔اس کا ڈر زندگی کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔جو لوگ معجزانہ طور پر بچ نکلتے ہیں۔وہ اکثر یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ چھٹکارا عارضی ہے۔رب کو اس کی کوئی نہ کوئی ادا پسند ہو گی یا کسی کے صدقے اصلاح چانس دے دیا گیا ہے۔مگر یہاں بچنے والے کے دماغ میں ایک نئے فتور نے جنم لیا ہوتا ہے۔اس شخص کو تیمارداری پر آنے والے یہ کہتے نہیں تھکتے، تم پر دوبارہ حملہ ہو گا۔تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔تم بڑے بہادر اور جری انسان ہو تم نے انسانیت کی خدمت کی ہے وغیرہ وغیرہ۔جیسے انہوں نے نہ مرنے کے معاہدے کر رکھے ہیں۔مرنا صرف بچنے والے نے ہی ہے۔ہے نا کمال کی بے عقلی۔بجائے اس کے اس معجزاتی زندگی پانے والے کو یہ کہتے بھئی خدا نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔تم میں کچھ نہ کچھ ضرور تھا کہ یہ موقع اللہ نے فراہم کیا ہے۔موت کی وادی سے کھینچ کر زندگی عطا کر دی ہے اس کو غنیمت جانو۔اب اگر زندگی کی لاٹری کا چانس ملا ہے۔تو اس کا بہتر استعمال کرو۔یہ کہنا چھوڑ دو کہ میں حملہ آوروں کی

گولیوں سے یوں بچا میں ایسے لیٹا اس لئے میں بچ گیا اور نعرے مارتا ہوا ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ خدا نے تمہیں بچانا تھا، تمہارے کردار کی دنیا بھر میں تشہیر کروانی تھی۔ تمہاری پہلی زندگی کے ڈراموں اور ڈبل کراس کرنے کی حرکتوں کو دنیا میں عام اور اپنے ملک کے باسیوں کو خاص طور پر ضرور دیکھانا تھا۔ تم نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے کیا کیا حرکتیں کی ہوئی ہیں۔ کتنے بے گناہ تمہاری ڈبل کراس پالیسی سے شدت پسندوں کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ کبھی تم اپنے آپ کو اُسامہ بن لادن کے چہیتے کہلوانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ پھر ایک طرف صدر مشرف کو لال مسجد پر چڑھائی کے لئے اُکساتے تھے۔ دوسری طرف لال مسجد کے ملاؤں کو بھی حکومت کی خفیہ رپورٹ بھی فراہم کرتے تھے۔ کھلے عام فرقہ پرستی کی نفرت کا اظہار بھی کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ اپنے ہموطنوں کو مذہب کے نام پر قتل کرانے پر بھی اُکساتے پائے جاتے تھے۔ پھر لبرل بن کر تم ملالہ یوسف زئی کو ساتھ دیتے رہے۔ اور اندر ہی اندر سے انتہا پسندوں سے رابطہ بھی رکھتے تھے۔ ایک چہرے پر تم نے اتنے چہرے سجا رکھے تھے۔ یہ سب کچھ تم اپنی مشہوری اور پیسے کے لالچ میں کرتے رہے تھے۔ صحافتی اخلاقیات کی سب حدیں بے دریغ کراس کرتے تھے۔ لوگوں میں تمہیں پہچاننے کی صلاحیت نہیں تھی۔ لہٰذا تمہارا اتنی آسانی سے مرنا مقصود تھا۔ اس زمین پر تمہارا کچھ قرض واجب ہے اس کی ادائیگی ہونی باقی ہے۔ تم ہر وقت اپنے مطلب کی خاطر اپنوں کو بھی دھوکے میں رکھتے رہے ہو۔ اپنے ملک کو غیروں کے سامنے بدنام کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور تمغے حاصل کرتے رہے ہو۔ ایک چہرے والا آدمی تو بڑی آسانی سے ایک آدھ گولی سے ختم ہو جاتا ہے۔ تم نے اپنے اوپر چھ چہروں سے بھی زیادہ چہرے چڑھائے ہوئے تھے اسی لئے چھ گولیاں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ تمہارا زندہ رہنا مرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ تاکہ تم ایک انتہائی متنازعہ شخص کی حیثیت سے رہو اور ہر وقت اپنی صفائیاں ہی پیش کرتے رہو۔ تمہارے ہم وطنوں کی ایک بھاری اکثریت تم کو ہمیشہ تاحیات اور بعد از حیات شک کی نگاہ سے دیکھتی رہے۔ تمہاری پہلی زندگی میں صرف چند لوگ تمہیں شکی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اب کی بار حالات پہلے جیسے نہ ہوں گے۔ تم کو پھونک پھونک کر بولنا اور چلنا پڑے گا۔ پہلے کی طرح نہیں ہر وقت کسی نہ کسی کے اوپر الزام لگا دینا، پھر کھسیانی اور زہریلی ہنسی پھیلا کر پتلی گلی سے نکل جانا۔ اب کی بار ایسا نہیں ہوگا۔ اب لوگ تمہیں سنیں گے اور دیکھیں گے ضرور مگر شک کی نگاہ سے ہر وقت کسی کو بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ نظام الٰہی میں ہر کسی کے پول کھل کے ہی رہتے ہیں۔ کسی کو زندگی بخش کر اور کسی کی لے کر۔ مگر ہر ایک پر طریقہ مختلف استعمال ہوتا ہے۔ اسے قدرت کا انتقام بھی کہتے ہیں۔ انسان جتنے چاہے چہرے سجا لے پکڑ میں لازم آتا ہے۔

عبدالکریم قدسی کے منتخب اشعار

اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل نہ کرو
روٹھنے والا کسی روز تو گھر آئے گا

گالیاں سُن کے دعا دو کہ یہ راہِ حق میں
شرف و اعزاز ہے عظمت ہے بڑا گہنا ہے

ہر موسم میں سچ کہنے کی ضد کرتے ہیں
ہم پھر زندہ رہنے کی ضد کرتے ہیں
دار و رسن سے زنجیروں سے ڈرتے ہیں
اک ہم ہیں جو اس گہنے کی ضد کرتے ہیں

کون کر سکتا ہے خوشبو کو بھلا مٹھی میں قید
روشنی کو آج تک کوئی نہ پھانسی دے سکا

اب اس کو میکدہ کہنا عجیب لگتا ہے
جہاں نہ ساقی نہ جام نہ سبو نہ مے لوگو

زمینِ دل ہو کہ لاہور ہو یا لندن ہو
محبت کی عبادت قضا نہیں کرنا

خلوص و پیار سے اہل وطن کو بھیجتا ہے
محبتوں کے تحائف جلاوطن میرا
چلو کہ ہاتھ اٹھائیں دعا کریں قدسیؔ
عجیب موسموں کی زد میں ہے وطن میرا

گلوں ساتھ ہیں جن کو عزیز کانٹے بھی
کچھ ایسے لوگ بھی قدسیؔ چمن پرست ہوئے

وفا کی رسم کو اک آن بان دیتے ہیں
جہادِ عشق میں ہم لوگ جان دیتے ہیں

پڑے تھے راہ میں آنسو، اُٹھا لئے ورنہ
خوشی سے میں نے کوئی غم کہاں خریدا ہے

دنیا میں گو ہم جیسے مٹھی بھر ہیں
لیکن ہم ہی امن کے ماتھے کا جھومر ہیں
ہم تھوڑے ہیں لیکن ہمیں حقیر نہ سمجھو
ہمیں ابابیلوں کی چونچوں میں کنکر ہیں

لطائف

(مرسلہ: رانا عبدالوحید خاں)

خواجہ حسن نظامی کی پھبتی

ایک انگریز نے خواجہ حسن نظامی سے پوچھا۔ سارے انگریزوں کا رنگ ایک سا ہوتا ہے نہ جانے سارے ہندوستانیوں کا رنگ ایک جیسا کیوں نہیں؟ خواجہ حسن نظامی نے جواب دیا:

''سب گھوڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں لیکن گدھوں کا رنگ ایک سا ہوتا ہے۔''

اختصار

''تمہارا چہرہ چھوٹا دکھائی دے رہا ہے۔'' شاعر اشرف بخاری سے ایک دوست نے کہا۔ ''چہرہ تو اتنا ہی ہے حجامت کرالی تھی سر چھوٹی بحر میں آ گیا ہے۔''

شاعر اشرف بخاری نے جواب دیا۔

جوتے

مشہور شاعر اختر شیرانی لاہور کی ایک دکان کالج بوٹ شاپ انارکلی میں جوتے خریدنے پہنچے۔ دوکاندار نے ان کے سامنے بہت سے جوتے رکھے۔ اختر شیرانی نے ایک جوڑا دیکھا مگر کوئی جوڑا پسند نہ آیا۔ قیمتوں پر بھی انہیں اعتراض تھا۔ دوکاندار طنزیہ لہجے میں بولا:

''اتنے جوتے پڑے ہیں آپ اب بھی مطمئن نہیں ہوئے؟''

اختر شیرانی ایک جوڑا پہنتے ہوئے بولے:

''بارہ روپے لیتے ہو یا اُتاروں جوتا۔''

پریشانی

نوجوان شاعر پاک ٹی ہاؤس میں خاموش بیٹھا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' ایک کالم نگار نے پوچھا۔

اس نے کہا:

''بات یہ ہے کہ ادب پر برا وقت آ گیا ہے۔ بڑے بڑے لوگ اُٹھ گئے۔ جوش، فراق، احسان دانش، حفیظ جالندھری، استاد دامن، ثاقب زیروی اور آج کل میری بھی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔''

گلدستہ.. سید حسن خان

کر۔ نہ کر

☆۔ تو محض کتاب کا کیڑا نہ بن بلکہ عمل پر بھی زور دے۔

☆۔ تو کسی شخص کی کتابیں خطوط اور کاغذات اسکی اجازت کے بغیر نہ دیکھ۔

☆۔ تیرے لئے روپیہ جمع کرنے اور جائیداد بنانے سے یہ بہتر ہے کہ اپنی اولاد کو علم سکھائے اور ان کی نیک تربیت کرے۔

☆۔ تو عبرت اور تجربہ حاصل کرنے کے لئے بھی سیر و سفر کیا کر۔

☆۔ تو اپنے اخلاق درست رکھ تا کہ لوگ تجھ سے فائدہ اٹھا سکیں۔

☆۔ تو جھوٹ کو سچائی کے رنگ میں پیش نہ کر۔

☆۔ تو کسی کی ناواجب دلآزاری نہ کر۔

☆۔ تو ہمیشہ حلال روزی کھا۔

(ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب)

مسلمانوں کے کارنامے!

☆۔ قطب نما، مسلمان جہازراں ابن ماجدؒ کی ایجاد تھی۔

☆۔ گندھک کا تیزاب مسلمان کیمیادان جابر بن حیات نے ایجاد کیا۔

☆۔ تاریخ کی سائنس کا بانی ابن خلدون تھا۔

☆۔ شیخ سعدی شیرازیؒ نے چودہ حج پیدل کئے۔

☆۔ محمود غزنوی نے کل 6 لاکھ اسی ہزار مربع میل کا علاقہ فتح کیا تھا۔

برطانیہ کی مایہ ناز ملکہ وکٹوریہ!

ملکہ وکٹوریہ 24 مئی 1819ء میں کینزنگٹن Kensington محل، برطانیہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کینٹ Cant کے ڈیوک تھے۔ ملکہ وکٹوریہ جب صرف 10 سال کی تھیں تو انہیں آئندہ سنبھالنے والی ذمہ واریوں کی تربیت سیکھنی پڑی۔ 19 سال کی عمر میں انہیں ملکہ برطانیہ کا اعزاز حاصل ہوا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی ذمہ واریوں کے ادا کرنے کا حوصلہ بھی عطا فرما دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جونہی اُن کو ملکہ کا رتبہ سونپا گیا تو انہیں پہلی ہی ملاقات میں کامیابی سے بڑے بڑے لیڈروں سے تبادلہ خیالات کرنا پڑا۔ جون

1837ء کو آپ کے انکل ولیم پنجم کی وفات ہوئی تو آپ کو برطانیہ کی ملکہ کا اعزاز دیا گیا۔ اور آپ کی تخت پوشی ویسٹ منسٹر ایبی لنڈن میں ہوئی۔ 10 فروری 1840ء میں آپ کی شادی آپ کے جرمن کزن البرٹ سے ہوئی۔ ملکہ وکٹوریہ اور البرٹ نے راضی خوشی 21 سال رفاقت میں گزارے۔ جبکہ البرٹ کی ملکہ کو ہر طرح کی تائید حاصل رہی۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے 9 بچوں سے نوازا۔ جن میں پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے شامل تھے۔ ان کے 3 بچے بچپن میں ہی فوت ہوگئے۔ جن کا ملکہ کو بہت صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

1861ء میں جب ان کا خاوند البرٹ فوت ہوا تو اس صدمہ کی وجہ سے ملکہ تقریباً

13 سال تک پبلک سے دور رہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ خاوند کی وفات کے بعد ملکہ نے اپنی آئندہ زندگی ہمیشہ کالے کپڑوں میں ہی بسر کی۔ اور پھر 1870ء میں ملکہ نے دوبارہ اپنی ڈیوٹیز کا آغاز کردیا۔ 1897ء میں جبکہ ملکہ 60 سال حکومت کر چکیں تو اس وقت ملکہ انتہائی کمزور اور مختلف بیماریوں میں مبتلا تھیں اور 22 جنوری 1901ء میں Osborn House میں 81 سال کی عمر میں اس دنیاءِ فانی سے رخصت ہوگئیں۔ اور ان کو بڑے اعزاز کے ساتھ ان کے خاوند البرٹ کے ساتھ Windsor Castle میں دفن کردیا گیا۔ ملکہ وکٹوریہ نے تقریباً 63 سال حکومت کی۔ آپ کے زمانہ میں ملک میں نئی نئی ایجادات عمل میں لائی گئیں۔ جن کی وجہ سے ملک نے دنیا میں ایک نام پیدا کرلیا۔ ملکہ وکٹوریہ ایک نیک دل اور ہمدرد خاتون تھیں۔ آپ کے زمانہ حکومت میں ملک برطانیہ نے بڑے بڑے کام کئے۔ جن میں سے آپ کے زمانہ میں نیوی دنیا کی سب سے بڑی بنائی گئی۔ نئی نئی انڈسٹریز لگائی گئیں جن میں ریل، ڈبل ڈیکر بسیں، موٹر ٹیکسی، پرنٹنگ، ٹائپ رائٹرز وغیرہ۔ نیز 1879ء میں ٹیلی فون نے ترقی کی، 1881ء میں ملک میں سٹریٹ لائٹس لگانی شروع کی گئیں۔ 1833ء میں 9 سال سے کم بچوں کو کام کرنے سے بائی لاء روک دیا گیا۔ 18 سال کے جوانوں کو رات کا کام کرنے سے روک دیا گیا۔ 1844ء میں آپ کے زمانۂ حکومت میں 9 سے 13 سال کے ورکرز کو 5 سے 6 گھنٹے سے زیادہ کام کرنے کی اجازت نہیں رہی۔ گویا آپ نے ملک کو ایسی ڈگر پر لگایا جس سے ایک تو ملک ترقی کی طرف گامزن ہو دوسرے انسانی قدروں کی بھی پامالی نہ ہو۔ اور معاشرہ دنیا میں ایک نام پیدا کرسکے۔ اور معاشرہ میں جو بھی برائیاں ہیں ان کو دور کرکے ایک حوصلہ مند معزز معاشرہ وجود میں لایا جائے۔

الائچی..مصالحوں کی رانی

الائچی کی دو اقسام ہیں۔ چھوٹی الائچی جسے سبز الائچی بھی کہا جاتا ہے۔ اور بڑی الائچی۔ چھوٹی الائچی تجارتی اعتبار سے زیادہ اہم اور بڑی کی نسبت زیادہ مقبول ہے۔ یہ برصغیر کے انتہائی اہم مصالحوں میں دوسرے نمبر پر ہے۔

الائچی ایک سدا بہار پودے کا پھل ہے۔ اس پودے کی شاخیں موٹی اور گودہ دار ہوتی ہیں۔ دنیا بھر میں پیدا ہونے والی الائچی کا 90 فیصد ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔

اس میں چکنائی کم لیکن پروٹین اور وٹامن اے بی اور سی وافر مقدار میں ہوتی ہے۔ الائچی ہاضم خواص رکھتی ہے۔ یہ جسم میں سے پانی اور ہوا کے عناصر خارج کرنے میں مدد دیتی ہے۔ معدے میں گیس کی صورت میں الائچی کے بیجوں کا آدھا چائے کا چمچ گرم پانی میں ملا کر دن میں تین مرتبہ پیا جائے۔

متلی اور قے کے لئے دو الائچیاں جن میں سے ایک بھنی ہوئی ہو، تھوڑے سے پانی کے ساتھ پیس کر مشروب کی طرح پیا جائے۔

الائچی ہچکی کے علاج میں مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ اس کے لئے سالم الائچی کے دو دانے کچل کر پودینے کے پانچ پتوں کے ساتھ ایک کپ کے برابر پانی میں ابالیں۔ یہ مشروب ہچکی بند کرنے میں مدد دیتا ہے۔ الائچی اور دارچینی کو پانی میں اُبال کر اس سے غرارے کرنے سے گلے کی سوزش وغیرہ سے آرام ملتا ہے۔

جذبات ظاہر کرنے والا روبوٹ

جاپان نے ایک ایسا روبوٹ تیار کیا ہے۔ جو خوشی اور غمی کے جذبات کو سمجھ سکتا ہے اور اس کا اظہار بھی کرسکتا ہے۔ اس روبوٹ کا نام پیپر (Peeper) ہے۔ اسی روبوٹ میں اموشنل انجن نامی ایک خصوصی انجن ہے۔ جس کی مدد سے یہ انسانی جذبات، حتیٰ کہ آواز کے اتار چڑھاؤ سے غصے اور خوشی کے جذبات کا اندازہ لگالیتا ہے۔ اور سینے پر لگی سکرین پر موزوں ردعمل ظاہر کرتا ہے۔

(روزنامہ پاکستان 6 جون 2014ء)

کم توانائی سے چلنے والی موبائل سکرین

نیویارک میں جدید سمارٹ فونز کے لئے ایک ایسا کور ایجاد کیا گیا ہے جس میں انتہائی کم توانائی استعمال کرنے والی سکرین لگی ہے۔ اور یہ فون کور (Cover) سکرین

آن کئے بغیر ہی آنے والے میسج کال اور ای میل وغیرہ کی معلومات فراہم کر سکے گا۔ اسے Inkcaset کا نام دیا گیا ہے۔ اسے بنانے والی کمپنی کا دعویٰ ہے کہ اس کی بیٹری کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔

(روزنامہ پاکستان 17 جولائی 2014ء)

زیر سمندر ہوٹل

امریکہ کی ریاست فلوریڈا میں زیر سمندر ایک ایسا ہوٹل ہے۔ جہاں تک رسائی صرف غوطہ لگا کر ہی کی جا سکتی ہے۔ زیر سمندر بنے اس ہوٹل میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے اور جدید دور کی سب سے بڑی ضرورت Wifi بھی یہاں موجود ہے۔ یہاں ایک رات گزارنے کا کرایہ پانچ سو ڈالر ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس 2 جون 2014ء)

بھاگنے والا روبوٹ

کورین ماہرین نے ایک ایسا روبوٹ تیار کیا ہے۔ جو 46 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ اور یہ روبوٹ راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو بآسانی پھلانگ بھی سکتا ہے۔ اس روبوٹ کو جنگ کے دوران اور قدرتی آفات سے نمٹنے کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

سیکیورٹی گارڈ روبوٹ ماہرین کا تیار کردہ روبوٹ ایک بڑی سیکیورٹی کمپنی کا حصہ بن کر کئی عمارتوں میں باقاعدہ سیکیورٹی گارڈ کی ڈیوٹی سنبھال چکا ہے۔ یہ روبوٹ اپنی نوعیت کا انوکھا روبوٹ ہے جو بآسانی ایک سے دوسری جگہ حرکت کر کے اپنے اندر موجود سینسرز، کیمروں، مائیکروفون اور دیگر جدید ٹیکنالوجی سے لیس خصوصیات کی بدولت اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر رکھتے ہوئے پل پل کی رپورٹ اپنے ساتھ رابطے میں موجود کمپنی کو فراہم کرتا ہے اور تازہ ترین حالات سے آگاہ کرتا ہے۔

(روزنامہ دنیا 18 جون 2014ء)

دھماکہ خیز مواد کی نشاندہی کرنے والا آلہ ایجاد

امریکی سائنس دانوں نے دھماکہ خیز مواد کی تلاش کے لئے انتہائی چھوٹا آلہ ''سنسر'' ایجاد کر لیا۔ یہ آلہ حساس ترین دھماکہ خیز مواد کو ایک منٹ کے اندر تلاش کر سکتا ہے۔ یہ آلہ ابتدائی معلومات سے زیادہ حساس ہے۔ نیا آلہ سائز میں چھوٹا ہے مگر ائیرپورٹس اور دیگر مقامات پر دھماکہ خیز مواد کی نشاندہی کے لئے استعمال ہونے والے تمام آلات سے زیادہ اثر رکھنے والا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں الارم سسٹم کی تنصیب سے کان کنی کے دوران نہ پھٹ سکنے والے دھماکہ خیز مواد کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے۔

(روزنامہ دنیا 23 جولائی 2014ء)

خشکی اور پانی پر چلنے والی ٹینک نما جنگی گاڑی

امریکی ریاست ہوائی میں قائم ٹریننگ ایریا میں میرین فورسز نے نئی جنگی گاڑی معارف کروادی ہے۔ اوہاک (Uhac) یعنی الٹراہیوی لفٹ ایمفی بیئس کنیکٹر نامی یہ ٹینک نما گاڑی نہ صرف خشکی اور پانی پر چلنے بلکہ رکاوٹیں عبور کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ ا

یلومینیم سے ڈیزائن کیا گیا اوہاک وہیکل کا آزمائشی ماڈل 42 فٹ لمبا، 26 فٹ چوڑا اور 17 فٹ اونچا ہے جو 25 میل فی گھنٹہ کی رفتار پکڑنے اور کم و بیش 10 فٹ اونچی رکاوٹیں عبور کرنے کی صلاحیت سے لیس ہے۔ اس جنگی ٹینک نما گاڑی کا مکمل ڈیزائن 84 فٹ لمبا اور 34 فٹ اونچا ہوگا جو 25 میل فی گھنٹہ کی رفتار کے ساتھ تین ایم ون اے ون ٹینک یا پھر 2 سو ٹن کارگو سامان لے جانے کی صلاحیت کا حامل ہوگا۔ اوہاک کا پروٹو ٹائپ ماڈل جہاں صرف 5 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پانی پر دوڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہیں اس کا مکمل ماڈل پانچ گنا زیادہ تیزی سے پانی پر دوڑتا نظر آئے گا۔

عبدالجلیل عباد جرمنی...غزل

کچھ پاگل پن تھا آنکھوں میں کچھ نشہ بھرا تھا راتوں میں
کچھ چاند بھی چڑھتے رہتے تھے ہر روز ہمارے خوابوں میں
تیرا شہر بھی تجھ سے چھوٹ گیا تیرا یار بھی تجھ سے رُوٹھ گیا
اب ہجر کے مارے کچھ تو بتا کیسے گزری تیری یادوں میں
رِم جھِم کے موسم میں بیٹھا میں اکثر سوچتا رہتا ہوں
بے وجہ کیا بارش رہتی ہے اِن خوابوں والی آنکھوں میں
کیا چاند تھے جو کے ڈوب گئے کیا خواب تھے جو کے ٹوٹ گئے
شاید کہ لکیریں تھی ہی نہیں قسمت کے ٹوٹے ہاتھوں میں
آزاد فضاؤں کے پنچھی اب وقت کی قید میں گاتے ہیں
سانسیں لینی بھی مشکل ہیں حالات کی جکڑی بانہوں میں
یہ عمر کی گاڑی لے کے مسافر اپنے چلتی رہتی ہے
کچھ پتہ نہ چلتا راہی کو آ جاتا ٹھکانا باتوں میں
اپنے تو دیس کے لوگوں کی خصلت ہی الگ ہے دنیا میں
پردیس میں آ کر بھی یہ تو اُلجھے رہتے ہیں ذاتوں میں
تنہائی کبھی جب کاٹتی تو چھپ چھپ کے پڑھتا رہتا ہوں
اس وقت کے ظالم ہاتھوں نے جو یادیں لکھی ہیں کھاتوں میں

پروفیسر ڈاکٹر مظفر حنفی دہلی انڈیا...محمد فیاض عادل فاروقی کے مجموعہ کلام اشکِ گل کے متعلق فرماتے ہیں:

محمد فیاض عادل فاروقی کی ان ۲۱۶ غزلوں کے بیشتر اشعار کے پردے پر ایک پُر خلوص، نیک، باعمل، اور حوصلہ مند انسان کا پرتَو اُبھرتا ہے۔ جسے اس دنیائے دُنی کی چیرہ دستیاں، ستیزہ کاریاں پژمردہ اور ملول تو کرتی ہیں لیکن ان کے مزاج کی شگفتگی اور سرشت کی معصومیت کو زیر نہیں کر پاتیں۔ ناسازگار حالات میں جہدِ حیات کرتے رہنے کا پیام اُن کی غزلوں کے وسیلے سے حساس اور درد مند قاری کے ذہن و دل میں شہد کی بوندوں جیسا چھنتا رہتا ہے۔ محمد فیاض عادل فاروقی مدتوں سے انگلستان میں قیام پذیر ہیں۔ لیکن اُن کا کلام قدم قدم پر شہادت دیتا ہے کہ ان اشعار کا خالق مشرقی اقدار اور پاکیزہ اخلاقیات پر نہ صرف خود کار بند ہے بلکہ زمانے کو بھی دہشت گردی، مفاد پرستی اور کردار کی پستی سے نجات دلانے کی خواہش رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ''اشکِ گل'' یعنی کہ عادل کے اشکِ گل کا اُردو دنیا میں پُر تپاک استقبال کیا جائے گا۔

(پروفیسر ڈاکٹر مظفر حنفی دہلی انڈیا)

پروفیسر ڈاکٹر خورشید خاورؔ امروہوی پاکستان....محمد فیاض عادل فاروقی کے مجموعہ کلام اشکِ گل کے متعلق فرماتے ہیں:

محمد فیاض عادل فاروقی کا قلم معجز رقم ہے اور دریا کی روانی کی طرح چلتا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں۔ شعر گوئی کی یہ صلاحیت بلکہ قدرتِ کاملہ انہیں نہ صرف ان کے ہم عصروں میں بلکہ پختہ کاروں میں بھی ممیّز کرتی ہے۔ جس قدر اقسامِ صنائع۔۔ محمد فیاض عادل فاروقی کے کلام میں پائی گئی ہیں۔ میں کسی دوسرے شاعر میں نہیں دیکھ سکا۔ میں نے اب تک کئی سو شعراء کے کلام پر ہزاروں صفحات میں شعری محاسن پر لکھا ہے مگر ابھی تک کسی شاعر کے یہاں اتنی بڑی تعداد میں صنفین نظم نہیں پائیں جتنی کہ محمد فیاض عادل فاروقی کے ہاں مجھے ملیں۔

جناب اکبر حیدر آبادی برسٹل یو کے....محمد فیاض عادل فاروقی کے مجموعہ کلام اشکِ گل کے متعلق فرماتے ہیں:

محمد فیاض عادل فاروقی کی شاعری کا کینوس خاصہ وسیع ہے۔ ان کے ہاں شعری اصناف کی رنگارنگی کے علاوہ ایک بے پناہ تخلیقی اُپج کا احساس ہوتا ہے۔ گویا اشعار اُن پر اسی طرح اُترتے ہیں جس طرح پہاڑوں کے سینے سے آبشار ایک پُرزور پرشور دھارے کی مانند، بحیثیت شاعر وہ انسان دوستی، بھائی چارے اور امن و محبت کے جذبات کے نقیب ہیں۔ گویا جگر مرادآبادی کی طرح انہیں بھی یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ۔

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

ایسا لگتا ہے وہ الفاظ کی تلاش میں نہیں بلکہ الفاظ انہیں ڈھونڈھ رہے ہوں۔ جب اُن کا قلم چلتا ہے تو چلتا ہی چلا جاتا ہے۔۔ محمد فیاض عادل فاروقی ایک حساس اور درد مند دل کے شاعر ہیں انہیں نظم اور غزل کہنے پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ اور ان دونوں اصنافِ سخن کو برتنے میں ان کا قلم قوت، روانی، اور جوش و خروش کے ساتھ اپنے جوہر دکھاتا ہے۔ زبان پر محکم گرفت اور بے پناہ قوتِ گویائی کو دیکھتے ہوئے امید ہے کہ یہ مجموعہ کلام منظرِ عام پر آکر سارے ادبی حلقوں میں شہرت اور پذیرائی حاصل کرے گا جس کا وہ بلاشبہ مستحق ہے۔'' (اکبر حیدر آبادی)

شادؔ کوکائی لندن....غزل

افلاس کے گھاؤ کچھ بھوک کا ڈر کچھ خوف خطر کے سائے ہیں
فرعون شداد ایوانوں میں میرے راہبر بن کر آئے ہیں
قانون شکن کچھ لوگ یہاں قانون بنانے والے ہیں
میرے پاک وطن کے پنجر کو یہ نوچ کے کھانے والے ہیں
ایوان میں بیٹھے یہ پیشہ ور سوداگر بن کر آتے ہیں
اس لوٹ کھسوٹ کی منڈی میں خود اپنا دام لگاتے ہیں
یہاں دست وگریباں مسلک ہیں اسلام لہو میں ڈوبا ہے۔
کچھ اہل ہوس ہیں واعظ میرے کچھ دین کے نام پہ پوجا ہے
میرے پاک وطن کی وردی پر چسپاں فرنگ کے کالر ہیں
میرے منصب کے پلاٹوں پر سالار کی تاک میں ڈالر ہیں
افلاس کے چنگل میں جکڑے مزدور کسان محروم ہوئے
اغیار کی گود میں بیٹھے جو ارباب ہوئے مخدوم ہوئے
یہ محنت کش کا دیس نہیں یہ دیس ہے سب لٹیروں کا
یہاں ہونٹ سلے مظلوموں کے یہاں دست دراز وڈیروں کا
مایوس نہیں میں مٹی سے میری مٹی ہے زرخیز یہاں
آؤ مل کر وعدہ شاد کریں اس غم سے دل گداز کریں
محکوم یہاں پر ہاری ہیں اس دیس کو ہم آزاد کریں

سوال...؟ عوام وحکومتِ ہند و پاک سے

(نیاز جیراجپوری-اعظم گڑھ انڈیا)

کون جیتا کون ہارا یہ سوال اپنی جگہ
غیر ہے وہ یا ہمارا یہ سوال اپنی جگہ

زخم ہی ناسُور بنتے ہیں یہ اندازہ نہیں
کون سا ہے زخم بٹوارے کا جو تازہ نہیں
ہیں مُقفّل ذہن و دِل یا کوئی دروازہ نہیں
ہم کہاں تھے، ہم کہاں ہیں اِس کا اندازہ نہیں

جُستجو ہم کو نہ جانے کون سی منزِل کی ہے
حاکمانہ تیور و لہجہ، صدا سائِل کی ہے

صدیوں سے اِنسان ہے اِس سوچ میں ڈُوبا ہُوا
جنگ سے سنسار میں آخر بھلا کِس کا ہُوا
کھیل میں زیر و زبر کے ہم کو حاصِل کیا ہُوا
وقت آگے بڑھتا رہتا ہے یہی کہتا ہُوا

یاد تو کرتے رہے ہم بُھول نہ پائے کبھی
اچّھے ہم سایوں کی طرح پیش نہ آئے کبھی

اچّھے ہم سائے سے اچّھا کوئی بھی ہم دَم نہیں
پیار کے موسم سے اچّھا کوئی بھی موسم نہیں
رُوپ رِشتوں کے بدل سکتے ہیں لیکن ہم نہیں
کیسے کہہ دیں ہم کو بٹوارے کا کوئی غم نہیں

حیف! اڑسٹھ سال پہلے ٹُوٹا تھا جو آئینہ
راہِ ذہن و دِل میں بکھرا ہے ابھی وہ آئینہ

ٹھیک ہے حق کے لئے سرگرداں رہنا چاہیئے
ہم نہیں کہتے کِسی کو ظُلم سہنا چاہیئے
ہو نہ حق تلفی کِسی کی یاد رہنا چاہیئے
بیٹھ کر آپس میں سُننا اور کہنا چاہیئے

جنگ ہے خود مسئلہ یہ مسئلے کا حل نہیں
اشک وخُوں کی بارِشوں سے سُوکھتے دَلدل نہیں

میرے ہم سائے، مِرے بھائی، مِرے دُشمن بتا
کب مِلے گا ہم کو پہلے جیسا اپنا پَن بتا
کیسے سُلجھے گی ہماری برسوں کی اُلجھن بتا
گولی اور بَم کی جگہ کب برسیں گے ساون بتا

فصلِ امن و آشتی سرحد پہ کب بوئیں گے ہم
مِل کے آپس میں گلے ہنس ہنس کے کب روئیں گے ہم

ساجد محمود رانا....غزل

ہماری وہ اشک باری کی عادت نہیں گئی
عمر بیت چلی اُس کی وہ بغاوت نہیں گئی
بکھر گیا شیرازہ حیات باقی نہ رہا کچھ بھی
افسوس کہ اس شخص کی عداوت نہیں گئی
حالات نے کردی اس کی حالت شکستہ لیکن
اُس کی وہ برسوں پرانی نزاکت نہیں گئی
سب کچھ کھودیا ہم نے پھر بھی دیکھو ساجدؔ
فطرت بدلتی بدل گئی لیکن شرافت نہیں گئی

نیلم جوگن لندن....سالِ نو

نئے برس کو دستک دے کر بیتے برس کا شکریہ ادا کردوں
میں گزرے ہوئے ہر پل کو الوداع کردوں
نئے برس کے ہر لمحہ کو اپنا کر لوں
گیا برس تو اپنے ساتھ میرے کچھ دوست بھی لے گیا
میں اُن کے جانے کے غم میں حوصلہ کر لوں
میں ایشور سے دعا کر لوں
نیا برس ہمیں اتنی خوشیاں دے
جس میں سبھی دلوں میں محبتیں بھر لوں

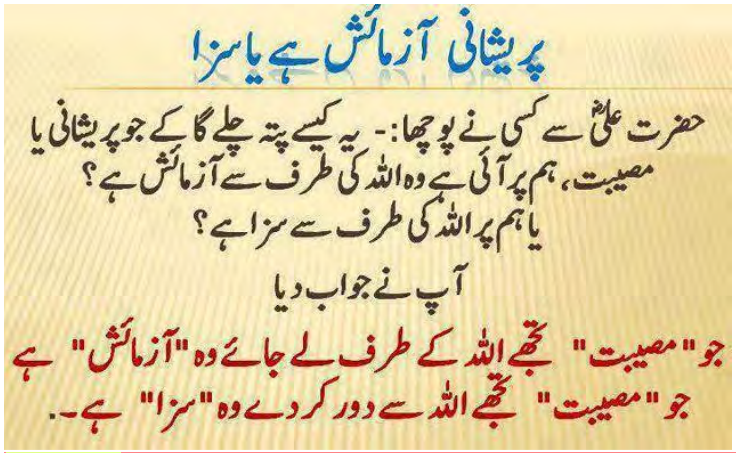

ذرّوں کی کہانی - آصف کی زبانی

کیا سیارچوں سے تخلیق! (آصف علی پرویز)

دوست: آج کل یہ بڑی خبر آرہی ہے کہ ایک خلائی لیبارٹری ایک سیارچہ (comet) پر اتری ہے۔ مجھے تو اس کی سمجھ نہیں آئی۔ ذرا اس کا پس منظر اور اس کی اہمیت کے بارے میں بتائیں۔

آصف: اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے کئی کھرب سالوں بعد ہمارے شمسی نظام کو پیدا فرمایا یعنی سورج ، زمین، مشتری، زحل وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی سیارچے (comet) پیدا فرمائے۔

دوست: یہ سیارچہ (comet) کیا ہوتا ہے؟

آصف: یہ دراصل اس مادہ کا بنا ہوتا ہے جس سے مختلف سیارے بنے۔ لیکن یہ کسی سیارہ کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ چونکہ یہ بالعموم سورج سے کروڑوں میل دور ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر موجود پانی برف کی شکل میں جم چکا ہوتا ہے۔

دوست: کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زمین میں جو سمندروں کی شکل میں پانی ہے وہ انہیں (comet) کی وجہ سے آیا ہے؟

آصف: آپ کا خیال درست ہے۔ سائنس دانوں کو یقین ہے کہ زمین پر اکثر مقدار میں پانی انہیں (comet) کے زمین سے ٹکرانے سے ہی آیا ہے بلکہ بہت سارے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ غالب امکان ہے کہ وہ کیمیاوی مادے مثلاً امینو ایسڈ (Amino Acid) جس سے بالآخر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے تخلیقی مادہ پیدا ہوا۔ انہیں سیارچوں (comet) کی وجہ سے زمین تک پہنچا۔

دوست: اس کا تو طریق یہ ہوسکتا ہے کہ کسی طرح کسی سیارچے (comet) تک پہنچا جائے اور پھر وہاں پر موجود کیمیاوی مادہ کے تجزیہ سے تخلیقی مادہ کی تلاش کی جائے۔

آصف: آپ کا خیال بالکل درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 2 مارچ 2004ء کو سائنسدانوں

نے راکٹ کی مدد سے ایک سائنسی لیبارٹری جس کا نام روزیٹا (Rosetta) رکھا گیا ہے تا کہ وہ ایک سیارچہ (comet) جس کا نام - 67P Churyumov Gerasimenko کی طرف روانہ کیا گیا۔

دوست: یہ تو تقریباً 10 سال کا عرصہ بنتا ہے تو یہ سیارچہ کتنی دور تھا؟

آصف: اس وقت یہ سیارچہ (comet) زمین سے 30 کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یاد رہے کہ سورج زمین سے تقریباً 9 کروڑ میل دور ہے۔ گویا یہ سیارچہ (comet) ایک ہی دوری پر واقع ہے۔

دوست: یہ جو لیبارٹری (Rosetta) سیارچہ (comet) کی طرف بھیجی گئی۔ کچھ اس بارے میں بتائیے۔

آصف: تقریباً دس سال میں یہ لیبارٹری اس سیارچہ کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ سائنسدانوں کا منصوبہ یہ تھا کہ وہاں سے یہ لیبارٹری ایک اور چھوٹی سی لیبارٹری جس کا سائز گھر میں موجود کپڑے دھونے والی مشین کے برابر ہے اس سیارچے پر (comet) اتارے گی۔ تا کہ وہاں اتر کر نہ صرف یہ سیارچے کی تصاویر بھیجے بلکہ وہاں موجود کیمیاوی مادوں کا تجزیہ بھی کرے۔

دوست: پھر کیا یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا؟

آصف: مورخہ 12 نومبر 2014ء کو Rosetta لیبارٹری نے چھوٹی لیبارٹری جس کو

Philea Lander کا نام دیا گیا ہے، اس سیارچے پر اتاری چونکہ سیارچہ (comet) پر کشش ثقل بہت ہی کم ہے تو یوں سمجھیں کہ کپڑے دھونے والی مشین کے لگ بھگ Philea Lander کا وزن ایک کاغذ کے صفحہ سے بھی کم تھا۔

دوست: میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ پھر تو چھوٹی لیبارٹری کو سیارچے (comet) پر اتارنا ایک نہایت ہی مشکل کام ہوگا۔

آصف: آپ بجا کہتے ہیں۔ اس سارے پروگرام کا یہ نازک ترین مرحلہ ہے۔ کیونکہ

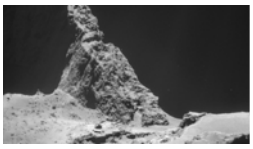

سیارچے (comet) میں ہموار جگہ بہت تھوڑی ہے۔ یہ سیارچہ عملاً ایک تین میل لمبا، دو میل چوڑا اور ایک میل اونچے پہاڑ کی مانند ہے جس میں جگہ جگہ گڑھے پڑے ہیں اور بہت سی نوکدار چٹانیں ہیں جیسا کہ اس تصویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دوست: کیا پھر یہ چھوٹی لیبارٹری اپنے منصوبہ کے مطابق اتری؟

آصف: اگرچہ Philea Lander اپنی مقرر کردہ جگہ کے قریب اتری مگر وہاں کی چٹان سے ٹکرا کر پھر اوپر اُٹھ گئی اور اب یہ بجائے اپنی تین ٹانگوں پر کھڑی ہونے کے صرف دو ٹانگوں پر سیارچہ پر کھڑی ہے اور تیسری ٹانگ معلق ہے۔

دوست: یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ اسکا کیا نقصان ہے؟

آصف: اس لیبارٹری Philea Lander کے ساتھ سولر پینل لگائے گئے ہیں تا کہ سورج کی شعاعوں سے یہ بجلی پیدا کر سکے تا کہ کافی عرصہ تک مختلف تجربات کئے جا سکیں۔

دوست: پھر تو اب کوئی تجربات نہیں ہوسکیں گے۔ تو کیا یہ منصوبہ بالکل فیل ہوگیا؟

آصف: نہیں، ایسا بالکل نہیں ہے۔ اس پر موجود بیٹریوں کی مدد سے بہت سے تجربات کر لئے گئے ہیں۔ لیکن اگر اس کو سیدھا نہ کیا گیا تو یہ تجربات چند دن ہی ہوسکیں گے۔ گو سائنسدانوں کی خواہش ہے کہ یہ کئی ہفتہ تک کام کرتی رہے تا کہ تمام کہ تمام تجربات کئے جا سکیں۔

دوست: اللہ کرے کہ یہ چھوٹی لیبارٹری سیدھی ہو جائے تا کہ سائنس دان مطلوبہ تجربات کر سکیں اور بالخصوص یہ کہ کیا واقعی سیارچہ (comet) وہ کیمیاوی مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں جس سے بالآخر تخلیق کا عمل مکمل ہوا۔

آصف: اللہ کرے کہ ایسا ہو جائے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ تاہم بہت سے تجربات کئے جا چکے ہیں اور بہت سے اعداد و شمار سائنس دان حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

دوست: کب تک یہ پتہ لگے گا کہ اس سیارچہ پر کون کون سے کیمیاوی مادے ہیں؟

آصف: نتائج آنے میں تو شاید چند ماہ لگ جائیں۔ انسانی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ سائنس دان ایک لیبارٹری کو سیارچے (comet) پر اتارنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور اس کے حیران کن نتائج کے بارہ میں پُرامید ہیں۔